کلیات

جلد سوّم

(غزل)

میر احمد نوید

فہرست

01	اِدھر سے پہلے ہے جانے اُدھر سے پہلے ہے	1
02	خود سے جو بھی مِلا نہیں بھایا	3
03	جو خامشی کی زباں ہو کلام وہ ہوگا	5
04	''کیوں'' میں اور ''کیا'' میں دل نہیں لگتا	6
05	کوئی سوال اٹھانے کی کیا ضرورت ہے	7
06	نہ اِس کسی کی نہ یہ اُس کسی کی حد تک ہے	8
07	میرا پتا دُنیا کو بتا دے	10
08	الجھ گیا ہے بہت ذہن کس کو کیا کہیے	12
09	اب کسی شخص سے کچھ بھی نہیں کہنا مجھ کو	14
10	کوئی اٹھائے مجھے اور کوئی بٹھائے مجھے	15
11	نہ خشک و تر سے ملا اور نہ دشت و در سے ملا	16
12	خدا ہوتا نہ ہوتا ہاں اگر انساں نہیں ہوتا	17
13	چلو نوؔید چلو زندگی بُلا رہی ہے	18
14	ہر اک لمحہ بدلتا رنگِ دنیا دیکھتے رہیے	19
15	نظر بچا رہے ہو یا نظر چُرا رہے ہو	20

16	ہے کیا حقیقت تعبیر، کیا ہے خواب نہ پوچھ	22
17	خودرَوی نے بچالیا مجھ کو	24
18	نہ مکاں چاہتا ہوں میں نہ مکیں چاہتا ہوں	26
19	عقل کے حد سے گزرنے کو جنوں کہتے ہیں	27
20	پھر جنونِ دل محبت کا سوالی ہوگیا	29
21	سجی ہے بزمِ ازل دَورِ جام چل رہا ہے	31
22	ترے حضور فقط ایک آہ بھرنے کی	33
23	اے خُدا تو ہی بتا سب نے یہ کیا مان لیا	35
24	کسی سے کیا کہوں جو شعر کی قیمت چُکائی ہے	36
25	برف کو شعلہ لکھوں دھوپ کو سایہ لکھ دوں	37
26	ہر مدح ہے جس طرح سے ممدوح کے اندر	39
27	تُو سے اور تک سے تُم گزر جاؤ	41
28	اُسی انداز کو پہنچا ہُوں ہر انداز کے بعد	43
29	یہ ہے چہرے کا چہرہ آئنے کا آئنہ ہونا	44
30	زِیر ہے کوئی اور نہ زَبر ہے تنہائی سے یکتائی تک	45
31	ہے میری جاں کو جان سے جانے کا انتظار	46
32	کون کہتا ہے عبادت میں فنا ہوتی ہے	48

33	کب کسی کا وصال چاہیے ہے	49
34	کافری اختیار کرتا ہوں	51
35	نگاہِ مضطرب وقلبِ بے سکون کی نذر	53
36	یہ جو حق پر لانے کو میں تم کو تنہا کرتا ہوں	54
37	بہ وجہِ قحط ارزانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو	55
38	خامشی کے بیاں کی حسرت ہے	56
39	بہ ہر صورت یہ مشکل زندگی آسان ہو جائے	58
40	وہمِ ہجر وصال سے گزرو	59
41	خوشی کی طرح جو دل میں ملال رہتا ہے	61
42	سورج کی طرح شام کو ڈھلتا بھی نہیں ہوں	63
43	نہ پُوچھ جستجوئے حق میں کیا رکاوٹ ہے	65
44	ہر راز جہاں کا کھول دیا تجھ کو تجھ تک پہنچا بھی دیا	67
45	پارے کی طرح مضطرب و بے قرار حُسن	69
46	خموشی بن گئی جاں کا زیاں صد الا دو	70
47	خدا کا شکر طبیعت کا کام مل گیا ہے	72
48	میں سوچتا ہوں قیامت کہیں نہ آ جائے	73
49	تیزی سے زندگی کی طرف آ رہا ہوں میں	74

50	عقل کی کیسی گزرتی تھی جنوں سے پہلے	75
51	حق سے تم نے سوا تنہائی کے پایا کیا ہے	76
52	نہ پُوچھو آگہی کی کارِ غفلت کر رہا ہوں میں	77
53	رات کچھ دل سوا دُکھاتی ہے	78
54	مرحلہ دین کی مشکل کا تھا آسان کیا	79
55	اے خامشی میں تیری صدا کو ترس گیا	80
56	ابر نے مٹی مہکائی اور بارش تیز ہوئی	81
57	نہیں رکھتا میں فرقِ خاص و عام	82
58	نکلا جو یونہی گھر سے یونہی جو گھر گیا ہے	83
59	بیدار کر کے سب کو خود آپ سو گیا ہے	84
60	دُنیا میں اپنے ہونے کا کوئی تو چراغ جلا جاؤں	85
61	ذرّے کو رشکِ وسعتِ صحرا تو کر دیا	86
62	مکر کی دُنیا نہ یہ چلاک دنیا چاہیے	88
63	کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیا ہے مری متاع	90
64	یعنی حالت کی کوئی حالت نہیں	91
65	اک طرف سارے پری رُو مرا یار ایک طرف	92
66	یہ پہلے سے کسے معلوم ہے رستے میں کیا آ جائے	93

67	خرد میں رکھا نہ دیوانگی میں رکھا ہے	94
68	دردوغم سے نباہ کرلے یار	96
69	کسی سوال میں غلطان ایک بھی نہ مِلا	98
70	وہ جو خالی تھا جام بھر دیا ہے	99
71	آگہی کے مزے لیے تم نے	101
72	تجھ میں مَیں مجھ میں تُو اس طرح گرفتار مِلا	103
73	آوارہ وجنوں زدہ وخوار جان کر	104
74	یکسر نہیں کُھلا کہ سَراسر نہیں کُھلا	105
75	نعمتِ دردسنبھالو کوئی درماں نہ کرو	106
76	ہمارے دل پہ گُزری ہر مصیبت کا خیال آیا	107
77	کافری میں تجھے تلاش کیا	109
78	آہ پر آہ بھر رہا تھا میں	111
79	کیوں خود کو وہ قیس اور وہ فرہاد کرے گا	112
80	خواب کا علم کُھلا ہے مجھ پہ بے خوابی کے بعد	113
81	نہ درد کا نہ دوا کا خیال آتا ہے	114
82	ہم جو کیا ہوتے کیا نہیں ہوتے	116
83	نہ خوشی ہے اور نہ ملال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے	117

84	مرے مالک نے مجھے "تُو" دے کر مری "مَیں" سے جان چھڑائی ہے	119
85	بدن کا کون سا نقشہ تھا جو بدن میں نہ تھا	121
86	یہ تُم نے جو خدا کی بات کی ہے	122
87	یہ تیرا جلوہ اٹھے تو کیسے اٹھے تو کیسے حجاب تیرا	123
88	نہ تیرگی نہ کسی روشنی سے پیدا ہوا	124
89	جو حسن کہ حسنِ سادہ ہو پُرکار اُسی کو کہتے ہیں	125
90	ترے در پر ترے در کا گدا ہونے کو آیا ہُوں	126
91	کتنا غافل ہوں میں کہ زندہ ہوں	127
92	زندگی مجھ سے چاہتی کیا ہے	128
93	آپ میں آپ سے گزر گیا میں	130
94	شام سے دیکھا نہیں تُم کو کہاں ہو صاحب	131
95	تیری حسرت کا آخری دن تھا	132
96	سب سے پہلے خُدا لکھا جائے	136
97	جب خاک میں تکبّرِ گفتار مِل گیا	137
98	تم کہیں آؤ تم کہیں جاؤ	138
99	جو نہ سُنتے ہیں خودی کی نہ خدا دیکھتے ہیں	139
100	نہیں کچھ اور نہیں کچھ بھی جنوں کی حسرت	141

101	مسئلہ عشق کی اَنا کا نہیں	142
102	ہم جس کو جانتے ہیں مُحبّت کی بات ہے	143
103	آغاز کب ہُوا تھا سفر یاد بھی نہیں	145
104	چلیں پھر خاک اُڑانے انہی گلیوں میں چلیں	147
105	یاد آئے گی جب تُم کو وفا میں نہیں ہُوں گا	149
106	پوچھتے کیا ہو کہ کیا چاہیے ہے	150
107	کس قدر حبس ہے تھوڑی سی ہَوا چاہیے ہے	151
108	جب نہ سوچا جا سکے گا تب ہی سوچا جائے گا	153
109	شدّتِ اظہار سے لہجے میں لُکنت آ گئی	154
110	کب کسی کا کلام پڑھتے ہیں	155
111	جزو و کُل کا تماشا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں	156
112	جویانِ سرِّ قدر و قضا جاگتے رہو	157
113	سوئے ہوؤں کو بیچ یہ بیدار کون ہے	158
114	ہو خود کو جو پا کر کوئی کامل تو مجھے کیا	159
115	فراق و وصل کی حالت میں دل لگے کیونکر	160
116	نہ آہ چاہیے مجھ کو نہ واہ چاہیے ہے	161
117	وہاں قطرے کو دریا چاہیے ہے	162
118	تجھے خواہش نے کیا دھوکا دیا ہے	163
119	کیا ارض و سماء اپنا پتا بھی نہ رہا یاد	165

120	کیا خبر یہ کوچہ گری کیا دکھاتی ہے مجھے	167
121	اک لمحہ بھی جنون کی محنت نہ کم ہوئی	168
122	جان سے ہوں میں اپنی جا سکتا	169
123	جواب دے کہ نہ دے احترام کر رکھا ہے	170
124	میرا ہے کیا جیوں نہ جیوں آپ خوش رہیں	171
125	مجھے انساں پہ اُس کی آگہی آسان کرنا ہے	173
126	صورت گریِ خوابِ تمنا کو نہ دیکھا	175
127	تماشا گہہ میں تماشا عجیب ہوتا رہا	176
128	یہی سمجھا اگر میں سمجھا کچھ	177
129	خامشی کا جواب خاموشی	178
130	کہوں تو کس سے مگر کیا ہے عشق کا آنسو	179
131	اس لیے بندہ بنا، تھا مجھ کو مٹ جانے کا شوق	180
132	پنہاں ہو تو پیدا سے نکل کر کہاں جائے	181
133	یہ نکتہ خیر سے سمجھا گئی ہے مجھ کو حکمت	183
134	نہ کام آئے گی ہشیاری نہ غفلت کام آئے گی	184
135	آگہی کی پڑی ہوئی ہے مجھے	185
136	دیکھ اے وہم حقیقت کا سرا ڈھونڈ لیا	186
137	تعقّل، تدبّر، تفکّر، تحیّر	187
138	مفت کب ہاتھ یہ خاروں کا بچھونا آیا	188

غزل

اِدھر سے پہلے ہے جانے اُدھر سے پہلے ہے
صفر نہیں ہے تو پھر کیا صفر سے پہلے ہے

ہے ایک بے خبری جو خبر کے بعد کی ہے
ہے ایک بے خبری جو خبر سے پہلے ہے

دکھائے اوّل و آخر تو تم نے کھینچ کے خط
یہ دائرہ تو بتاؤ کدھر سے پہلے ہے

کیا اُسی نے مجھے تیرے سامنے بیباک
جو خوف دل میں مِرے ، تیرے ڈر سے پہلے ہے

اُسی کی نذر ہُوا جا رہا ہے دل میرا
وہ ایک بے اثری جو اثر سے پہلے ہے

کہیں یہ بات ہی تاخیر کا سبب تو نہیں
جو مجھ کو تیری طلب پیشتر سے پہلے ہے

کیا ہُوا ہے اُسی نے ہر اک بشر کو نڈھال
خیال کی جو مُسافت سفر سے پہلے ہے

جو تیرے دل میں خلش ہے نہ ہونے ہونے کی
تری اگر سے ہے پہلے مگر سے پہلے ہے

☆

خود سے جو بھی مِلا نہیں بھایا
اُس کا کوئی خدا نہیں بھایا

آ رہا ہوں میں کرکے سیرِ عرش
مُجھ سے کُچھ پوچھنا نہیں بھایا

ماورائے حصارِ چشم و گوش
تم سا دیکھا سُنا نہیں بھایا

گو بہت روکنے کی کوشش کی
وقت لیکن رُکا نہیں بھایا

ہے جو تم کو جنون اُبھرنے کا
تم کہیں ڈوبنا نہیں بھایا

بیٹھ کر ہم نے صرف باتیں کیں
کام کوئی کیا نہیں بھایا

کہتے ہیں یہ جہان بہرا ہے
آپ نے کیا سُنا نہیں بھایا

یہی کہہ کہہ کے مر رہے ہیں سب
زندگی میں مزا نہیں بھایا

☆

جو خامشی کی زباں ہو کلام وہ ہوگا
ادا جو دل سے ہو یعنی سلام وہ ہوگا

نگاہِ ساقی کے ہوتے ہوئے سنبھال نہ جام
جو گِر کے ٹوٹے گا واللہ جام وہ ہوگا

اگر چہ مجھ کو نہیں ہے خبر مگر ہے خبر
جہاں تُو جلوہ نُما ہوگا بام وہ ہوگا

نہیں وہ دام نہیں جس میں ہو خیال آزاد
خیال کو جو کرے قید دام وہ ہوگا

وہ نام کیا ہے جو باطل کے لب پہ بھی آجائے
جو حلق میں ہی اٹک جائے نام وہ ہوگا

نہیں یقین تو دیکھ آن کر کلامِ نوؔید
جو ہوگا نام سے بے پروا کام وہ ہوگا

☆

''کیوں'' میں اور ''کیا'' میں دل نہیں لگتا
''صفر'' میں ''لا'' میں دل نہیں لگتا

اے خُدا مَیں بھی کون قطرہ ہُوں
میرا دریا میں دل نہیں لگتا

بس اُسی سے میں دل لگاؤں گا
جس کا دنیا میں دل نہیں لگتا

کیا کروں گا کسی کی مَیں پروا
اپنی پروا میں دل نہیں لگتا

کارِ دنیا میں دل لگاتا ہوں
کارِ دنیا میں دل نہیں لگتا

☆

کوئی سوال اٹھانے کی کیا ضرورت ہے
جواب ڈھونڈ کے لانے کی کیا ضرورت ہے

جہاں نہیں ہے کسی کو بھی روشنی کی طلب
وہاں چراغ جلانے کی کیا ضرورت ہے

حقیقتاً نہ اِدھر ہے کوئی نہ کوئی اُدھر
اِدھر اُدھر کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے

یہ جانتا ہے اگر تُو کہ بے خیال ہیں سب
یہ بات سب کو بتانے کی کیا ضرورت ہے

بہانے ڈھونڈتا گر تجھ کو ماننا ہوتا
نہ ماننے کو بہانے کی کیا ضرورت ہے

اگر جلانا ہے تجھ کو تو دل جلا اپنا
چراغِ شام جلانے کی کیا ضرورت ہے

☆

نہ اِس کسی کی نہ یہ اُس کسی کی حد تک ہے
جو میری ''مَیں'' ہے وہ یعنی مجھی کی حد تک ہے

کہاں ہے وہ کہ جو ہوگا شروع مَوت کے بعد
یہاں تو جو بھی ہے وہ زندگی کی حد تک ہے

کہاں تلک ہے مگر تیری سادگی کا فسوں
اگرچہ رنگ تِری سادگی کی حد تک ہے

ہے کس لیے اُسے منوانے پر مُصر واعظ
خدا کا ہونا بھی کیا بندگی کی حد تک ہے

کہوں تو کس سے کہ سب عقل کے ہیں مارے ہوئے
وہ دل کی بات کہ جو بے دلی کی حد تک ہے

کسی سے پُوچھے کوئی روشنی کے بعد ہے کیا
یہاں تو سب کا سفر روشنی کی حد تک ہے

خدا ہے کون مگر مجھ کو جاننا بھی نہیں
مِری پہنچ تو فقط آدمی کی حد تک ہے

کرے گا کیا وہ اگر مل گیا جو چاہیے ہے
کہ تیری ساری تگ و دو کمی کی حد تک ہے

☆

میرا پتا دُنیا کو بتا دے
ہَوا میں میری خاک اُڑا دے

کردے مجھ کو مجھ پر ظاہر
چاہے مجھ کو سب سے چھپا دے

خود سے مَیں بچھڑا تو نہیں ہوں
لیکن مُجھ کو مُجھ سے مِلا دے

دھنسادے مجھ کو میرے اندر
مُجھ کو بھی پرواز کرا دے

سُن لیا میں نے شورِ من و تُو
اب مجھ کو خاموشی سُنا دے

آگ کو کر پانی سے ٹھنڈا
اور پانی میں آگ لگا دے

سارا اُلٹا کردے سیدھا
اور سارا سیدھا اُلٹا دے

مرجاؤں میں سائے میں اپنے
تُو مجھ کو مجھ پر ہی گِرا دے

میری ''ہُوں'' کو بھردے ''نہیں'' سے
بے رنگی کو رنگ بنا دے

مجھ کو نہیں کچھ بھی سمجھانا
تُو جو سمجھا ہے سمجھا دے

☆

الجھ گیا ہے بہت ذہن کس کو کیا کہیے
پکاریے کسے بُت اور کسے خدا کہیے

دکھائی ہے جو حقیقت نے خواب کی صورت
اب اِس کو وہم نہ کہیے تو اور کیا کہیے

مِرے گماں میں حقیقت کو کہیے خوابِ کہف
میرے یقین میں تعبیر کو بُدھا کہیے

نگہ کو ایک ہوئے پردگی و عُریانی
ظہور کہیے کسے کیا چھپا ہُوا کہیے

کوئی سوال، کوئی تبصرہ، کوئی پہلو
کہا یہ کس نے کہ ہر بات پر بجا کہیے

مَیں پُوچھ لوں یہ مسیحا سے گرنہ گزرے گراں
دوا نہ کہیے اگر درد کو تو کیا کہیے

اگر نہیں ہے کوئی اپنی بات آپ کے پاس
تو پھر لکھا ہُوا لکھیے کہا ہُوا کہیے

☆

اب کسی شخص سے کچھ بھی نہیں کہنا مجھ کو
ایسے رہنا ہے کہ جیسے نہیں رہنا مجھ کو

میں جو عُریاں تھا سو عُریاں ہی ہُوا ہُوں ظاہر
تو کسی طرح کا ملبوس نہ پہنا مجھ کو

نہ کوئی رنگ ہے میرا نہ کوئی ہیّت ہے
راس ہے آبِ رواں کی طرح بہنا مجھ کو

آدمی سے مجھے انسان اگر بننا ہے
پھر جو سہہ سکتا نہیں ہے وہی سہنا مجھ کو

بوالہوس تو نہیں رہ جاؤں جو میں تشنۂ دید
حسن پردے میں بھی رہ کر ہے برہنہ مجھ کو

☆

کوئی اٹھائے مجھے اور کوئی بٹھائے مجھے
خدایا زندگی کرنا کوئی سکھائے مجھے

وہ کیا ہے جو نہ الف میں ہے اور نہ ایک میں ہے
ورائے حرف و عدد بھی کوئی پڑھائے مجھے

مجھے خدا سے ملانے کو آ گئی خلقت
کہا تھا میں نے کہ مجھ سے کوئی ملائے مجھے

یہاں تو سب ہی رہِ مستقیم پر ہیں رواں
ہے کوئی بھٹکا ہوا راستا دکھائے مجھے

کیا ہے میں نے کب انکار بندہ بننے سے
مگر ہے شرط کہ بگڑا ہوا بنائے مجھے

☆

نہ خشک و تر سے ملا اور نہ دشت و در سے ملا
پتا خبر کا مجھے ایک بے خبر سے ملا

ملا نہ مجھ کو سکوں یعنی بُت تراش کے بھی
سرا یہ بے ہنری کا مجھے ہنر سے ملا

میں دیکھتا رہا حیرت سے آسمان و زمیں
نہ کچھ اُدھر سے ملا اور نہ کچھ اِدھر سے ملا

اگر سنی تو سماعت نے خامشی ہی سنی
اگر ملا تو خلا وسعتِ نظر سے ملا

کُھلا کہ خلد سے آدم کو کیوں نکالا گیا
اشارہ جب مجھے آوارگی کا گھر سے ملا

☆

خدا ہوتا نہ ہوتا ہاں اگر انساں نہیں ہوتا
کوئی رحماں نہیں ہوتا کوئی شیطاں نہیں ہوتا

اگر ہوتا نہ یہ انسان مارا خوف و لالچ کا
نہ ہوتا اہرمن کوئی ، کوئی یزداں نہیں ہوتا

تراشے ہیں خُدا اِس خوفِ نامعلوم نے کتنے
یہ بُت امکاں کا پُتلا ہے، اگر امکاں نہیں ہوتا؟

چُھڑا لے گا یہ انساں جان اَن دیکھے خدا سے بھی
کوئی بھی کام مشکل کے بنا آساں نہیں ہوتا

سوال اب تک اٹھے ہیں جتنے حیرانی سے اٹھے ہیں
پہنچتا مَیں یہاں کیسے اگر حیراں نہیں ہوتا

☆

چلو نویؔد چلو زندگی بُلا رہی ہے
کہاں پڑے ہوئے ہو زندگی بُلا رہی ہے

لگا کے عُمر جو تم نے کشید کی ہے مَے
وہ مَے پلاؤ، پیو، زندگی بُلا رہی ہے

نمو کے جشن میں برپا کرو وجود اپنا
شرر سے شعلہ بنو زندگی بُلا رہی ہے

جو چاہتے ہو ستائے نہ تُم کو ہست کا غم
فنا کا نغمہ سنو زندگی بُلا رہی ہے

یہ کیا کہ سوچتے رہ جاؤ زندگی کیا ہے
خبر سے آگے بڑھو زندگی بُلا رہی ہے

☆

ہر اک لمحہ بدلتا رنگِ دنیا دیکھتے رہیے
لبوں سے کچھ نہ کہیے بس تماشا دیکھتے رہیے

اگر ہیں قیس تو رکھیے نظر میں صورتِ لیلیٰ
اگر یوسف ہیں تو روئے زلیخا دیکھتے رہیے

جو خود کو ماورائے چہرہ و آئینہ کرنا ہے
وہ آنکھیں دیکھتے رہیے وہ چہرہ دیکھتے رہیے

اگر یہ چاہتے ہیں رازِ ہست و نیست کھل جائے
تو اُن پلکوں کا اٹھنا اور جھکنا دیکھتے رہیے

نظر ہٹنے نہ پائے لمحہ بھر کو بھی تغیر سے
ہر اک لمحہ گزرنے کا گزرنا دیکھتے رہیے

بہ ہر صورت حقیقت کی حقیقت مل ہی جائے گی
نگاہِ وہم سے قطرے میں دریا دیکھتے رہیے

☆

نظر بچا رہے ہو یا نظر چُرا رہے ہو
فریب دے رہے ہو یا فریب کھا رہے ہو

عجب سا ایک خلا ہے تمہاری آنکھوں میں
یہ کچھ بتا رہے ہو یا یہ کچھ چُھپا رہے ہو

تمہارے پاس خدا کے سوا نہیں کوئی بات
وہی سنی ہوئی ہر پھر کے کیا سنا رہے ہو

نہ خود کھڑے ہوئے ہو اپنی بات کے پیچھے
نہ اپنی بات کے پیچھے دلیل لا رہے ہو

تمہیں پڑی ہے تماشے میں رنگ بھرنے کی
جو تم ہنسا رہے ہو اور جو تم رُلا رہے ہو

یہ تنگ آگئے خود سے کہ پالیا خود کو
جو اپنے سامنے سے آئنہ ہٹا رہے ہو

تمہیں خبر ہے یہاں کس قدر اندھیرا ہے
یہ کس یقین پہ تم اک دیا جلا رہے ہو

نوؔید اُس کی حقیقت کو کون سمجھے گا
نیا جہاں جو تصور میں تم بسا رہے ہو

☆

ہے کیا حقیقت تعبیر، کیا ہے خواب نہ پوچھ
سنبھال اپنا سکوں ، میرا اضطراب نہ پوچھ

غروب ہوتے ہوئے چاند مجھ سے کہتا ہے کیا
نکل کے کہتا ہے کیا مجھ سے آفتاب نہ پوچھ

جو کہہ رہا ہوں میں انسان ہے خدا کا وجود
ہے اِس گناہ کا کتنا بڑا ثواب نہ پوچھ

یہ دیکھ شام و سحر کس کی جستجو میں ہیں
تُو مجھ سے وقت گزرنے کا کچھ حساب نہ پوچھ

بسا کے اُس کو تصّور میں جیسا جو دیکھے
یہ بے حجابِی صورت گرِحجاب نہ پوچھ

کسی خیال کو ہی تُو سمجھ رہا ہے وبال
ہے بے خیالی میں پوشیدہ کیا عذاب نہ پوچھ

مجاز و وہم و حقیقت، گمان و شکّ و یقیں
خبر کی راہ میں ہیں کس قدر سراب نہ پوچھ

سوال کر تو دیا میں نے اُن سے کون ہیں آپ
جو اُس کے بعد ہوا حالِ آں جناب نہ پوچھ

نہ پوچھ مجھ سے یہ مستی کہاں سے آئی ہے
تومیرا حُسن ِ بیاں دیکھ میری تاب نہ پوچھ

☆

خود رَوی نے بچا لیا مجھ کو
شاعری نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ میں بھی کوئی خدا ہوتا
بندگی نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ مجھ کو بھی مار دیتا غیب
بُت گری نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ آجاتا راہِ راست پہ میں
گمرہی نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ کر کر کے مکر مَر جاتا
سادگی نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ ہوتا بَلا کا دُنیا دار
آ گہی نے بچا لیا مجھ کو

ورنہ لے جاتی خواہشِ دنیا
بے دلی نے بچا لیا مجھ کو

☆

نہ مکاں چاہتا ہوں میں نہ مکیں چاہتا ہوں
چاہتا کیا ہوں جو میں کچھ بھی نہیں چاہتا ہوں

عقل کو لے کے کہاں جاؤں ٹھکانا کرنے
جب گماں چاہتا ہوں میں نہ یقیں چاہتا ہوں

دوریِ عرش و ستارہ سے مجھے کیا لینا
میں جہاں ہوں ہر اک امکان وہیں چاہتا ہوں

مجھ کو رہنا ہے، نہ اُڑنا ہے نہ دھنسنا مجھ کو
آسماں چاہتا ہوں مَیں نہ زمیں چاہتا ہوں

مُجھے معلوم ہے اک دوسرے کی ضد ہیں یہ
میں نہ ''ہے'' چاہتا ہوں اور نہ ''نہیں'' چاہتا ہوں

کیسے سمجھاؤں یہیں ہے مِرا مرنا جینا
نہ کہاں چاہتا ہوں اور نہ کہیں چاہتا ہوں

☆

عقل کے حد سے گزر نے کو جنوں کہتے ہیں
کہتے ہیں پر نہیں معلوم کہ کیوں کہتے ہیں

میں نہ کر پایا مگر داخل و خارج میں فرق
کس کو کہتے ہیں دُروں کس کو بُروں کہتے ہیں

مجھ پہ کھلتے ہی نہیں معنی اثبات و نفی
میری ہر بات کے آخر میں وہ ''ہُوں'' کہتے ہیں

ہم اُنہیں جانتے ہیں پہلوئے تہہ دار کے ساتھ
یوں نہیں سنتے اگر ہم سے وہ یوں کہتے ہیں

نگہہ رحم ہو ہمدردی ہو دلداری ہو
پُرسشِ حال کو ہم حال کا خوں کہتے ہیں

ہم اُسے کہتے ہیں محرومیِ توفیقِ جنوں
آپ جس حالتِ حالت کو سکوں کہتے ہیں

لذتِ درد نے اُن کو ہے کیا ایسا حریص
درد ہو اور فزوں اور فزوں، کہتے ہیں

ایک دُنیا ہے کہ جو کہتی ہے ساحر ہم کو
ایک ہم ہیں کہ اِسے تیرا فسوں کہتے ہیں

☆

پھر جنونِ دل محبت کا سوالی ہوگیا
درد کیا دل سے گیا سینہ ہی خالی ہو گیا

کیا کہوں کیا ہے حقیقت کا توّہم اے خدا
فرض کرلینے کو یہ عالم مثالی ہوگیا

یا حقیقت ہے نہیں یا میرے ہاتھ آتی نہیں
کیوں یہ میرے واسطے سب کچھ خیالی ہوگیا

باغِ ہست و بود میں ایسی چھڑی مَیں مَیں کی جنگ
پتّا پتّا بوٹا بوٹا ڈالی ڈالی ہوگیا

بحثِ شرق و غرب سے مجھ کو نہیں کوئی غرض
کیا جنوبی ہو گیا اور کیا شمالی ہوگیا

ایک مدّت سے نہ دی اِس نے بھی ٹِک ٹِک کی خبر
دل کا یہ گھڑیال بھی سب بج کے خالی ہوگیا

چین سے ہرگز کہیں میں بیٹھنے والا نہ تھا
بے جوابی سے تری میں بے سوالی ہوگیا

☆

سجی ہے بزمِ ازل دَورِ جام چل رہا ہے
کچھ اور ہو نہ ہو ساقی کا کام چل رہا ہے

کرو تو غور کبھی ہے خدا کے پیچھے کون
کُھلے گا تم پہ خدا کا تو نام چل رہا ہے

خواص نے جو دیا ہے بہ نامِ عقل و شعور
وہی مغالطۂ فکر، عام چل رہا ہے

جو بے جواز ہے جس کا کوئی جواز نہیں
اُسی سے سلسلۂ صبح و شام چل رہا ہے

سُنے گا کیسے نہیں ہے جو آشنائے سکوت
یہ وہ کلام ہے جو لاکلام چل رہا ہے

تم اِس کو غیب کہو یا کہو مِری حکمت
میں ہوں خموش کہ میرا نظام چل رہا ہے

نظامِ دہر ہے فتویٰ فروشِ دین کے ہاتھ
یہاں حَلال کی صورت حرام چل رہا ہے

☆

ترے حضور فقط ایک آہ بھرنے کی
مجھے ملی نہ اجازت کلام کرنے کی

نگاہِ ساقی کی عجلت پڑی ہوئی ہے مجھے
تمہارے پاس تو فرصت ہے جام بھرنے کی

کچھ اِس طرح سے ہیں ہم کارِ دہر میں مصروف
ہمارے پاس تو فرصت نہیں ہے مَرنے کی

اگر ہے فکر تو ہو شوق سے غبار آلود
مگر یہ خاک کی دُنیا نہیں سنورنے کی

یہ زندگی کسی مجذوب کا نہیں ہے خواب
یہ سوچنے کی نہیں، ہے یہ کر گزرنے کی

خموش رہ کے ذرا دیر خامشی کو ہی سُن
نہیں ہے بات اگر تیرے پاس کرنے کی

تمہاری بات پہ جب خلق دُھن رہی ہے سَر
مجھے بھی کیا ہے ضرورت سوال کرنے کی

☆

اے خُدا تو ہی بتا سب نے یہ کیا مان لیا
مجھ کو انسان نہیں مانا خدا مان لیا

اے خدا دردِ محبت کی دوا ہے کوئی
ویسے ہر درد کی ہوتی ہے دوا مان لیا

ایک نے بھی نہ کیا یعنی مری بات پہ غور
غیب سے آتی ہوئی کوئی صدا مان لیا

کیسے سمجھاؤں حقیقت نہ کھلے گی تم پر
حدِّ نظارہ کو جب بندِقبا مان لیا

بولو جلنے کو ہے یا روشنی کرنے کے لیے
ہے تو کیونکر ہے، چلو ہے یہ دیا مان لیا

☆

کسی سے کیا کہوں جو شعر کی قیمت چُکائی ہے
کہ اِس عزّت سے پہلے کس قدر ذلّت کمائی ہے

کھلا ہے مجھ پہ یہ رو کر کھلا ہے مجھ پہ یہ ہنس کر
مُجھے بھیجا ہے کیوں تو نے یہ دنیا کیوں بنائی ہے

گِرا ہوں اپنے ہی اندر اُٹھا ہوں اپنے ہی اندر
جبل ہے میرے ہی اندر مِرے اندر ہی کھائی ہے

کھلا ہے مجھ پہ جب میں بے بسی سے اپنی گزرا ہوں
کہ میری قید کے اندر ہی پوشیدہ رہائی ہے

خدا پر آپ ہی جا کر کمندیں ڈالیے صاحب
میں ہُوں اک عام سا انساں مری مجھ تک رسائی ہے

☆

برف کو شعلہ لکھوں دھوپ کو سایہ لکھ دوں
معجزے کے ہو برابر میں کچھ ایسا لکھ دوں

لب کو لب گر نہیں لکھوں نہ لکھوں چشم کو چشم
کیا بنے گا جو خد و خال کو یکجا لکھ دوں

کیا تعجب ہے اگر حُسن کا پابند ہے عشق
شکلِ مجنوں کو نہ کیوں صورتِ لیلیٰ لکھ دوں

جب ہر اک شے میں ہے امکان کی صورت موجود
جائے حیرت نہیں گر قطرے کو دریا لکھ دوں

کیا کرو گے جو مَیں مسجد کو کروں مَے خانہ
کیا کرو گے جو مَیں بُت خانے کو کعبہ لکھ دوں

کیا کرو گے جو مَیں ہونے کو نہ ہونا کردوں
کیا کرو گے جو نہ ہونے کو مَیں ہونا لکھ دوں

اولاً دردِ محبت کی کوئی حد ہی نہیں
اور اگر حد سے گُزاروں تو مسیحا لکھ دوں

☆

ہرمدح ہے جس طرح سے ممدوح کے اندر
پوشیدہ ہے ہر امر مری روح کے اندر

گزرا ہوں اور اِس طرح سے گزرا ہوں میں ''لا'' سے
ہے روحِ الااللہ مری روح کے اندر

وہ نوح کا گریہ ہو کہ ہو نوح کا نوحہ
ہے کون سا طوفاں جو نہیں نوح کے اندر

دنیا کا کہ دیں کا ہو کہ افلاک و زمیں کا
ہر زخم ہے اِس سینۂ مجروح کے اندر

جز فاتحِ دل اور کسی پر نہ کھُلے گا
جو فتح کا اک جشن ہے مفتوح کے اندر

کیا کہیے پھر اِس دل کو اگر لوح نہ کہیے
کیا شرح ہے دل کی دلِ مشروح کے اندر

یعنی وہ جنوں قتل کا قاتل میں کہاں ہے
حسرت کہ جو ہے ذبح کی مذبوح کے اندر

☆

تُو سے اور تک سے تُم گزر جاؤ
آخری شک سے تم گزر جاؤ

ھُو کی خاموشی اختیار کرو
یعنی بَک بَک سے تُم گُزر جاؤ

مت کرو بحثِ اسم و معنی و ذات
یعنی جھک جھک سے تم گزر جاؤ

تم پہ کھل جائے گی خموشیِ کُن
دل کی دھک دھک سے تم گزر جاؤ

کھول دو اپنے دل کا دروازہ
اپنی دستک سے تم گزر جاؤ

پھر کُھلے گا وجودِ ''لا'' کیا ہے
خواہشِ یک سے تُم گزر جاؤ

یہ سبق ہے کتابِ انساں کا
رنگ و مسلک سے تم گزر جاؤ

بس یقیں ہے کہ جو گزارے گا
بے شک اِس شک سے تم گزر جاؤ

☆

اُسی انداز کو پہنچا ہُوں ہر انداز کے بعد
پھر زمیں پر اتر آیا ہُوں میں پرواز کے بعد

ساز سے پہلے جو خاموشی مِلی تھی مجھ کو
وہی خاموشی مِلی یعنی مجھے ساز کے بعد

اک تسلسل ہے کہ جس کا نگراں ہے کوئی
میری آواز سے پہلے مری آواز کے بعد

نہ ہے آغاز کوئی اور نہ ہے انجام کوئی
یہی انجام سے پہلے یہی آغاز کے بعد

پردہ اٹھنے کی حقیقت نہ سمجھ میں آئی
اور اک راز ملا یعنی مجھے راز کے بعد

اے خدا کھلنے نہ کھلنے کی حقیقت کیا ہے
ایک در بند ہے پھر ایک درِ باز کے بعد

⌋ è

یہ ہے چہرے کا چہرہ آئینے کا آئنہ ہونا
چُھپا ہے بندگی کی تہہ میں ہی یعنی خدا ہونا

خودی ہے اس میں پوشیدہ خدا ہے اِس میں پوشیدہ
اگر ہونا تو اپنے عشق میں ہی مبتلا ہونا

تمہی بیمار ہو اپنے تمہی ہو چارہ گر اپنے
خود اپنا درد ہونا اور خود اپنی دوا ہونا

سفر یہ مَیں سے مَیں تک کا سفر ہے اوّل و آخر
یہی ہے ابتدا ہونا یہی ہے انتہا ہونا

یقیناً خود کو کھودینا قضا ہونا ہے سجدے کا
یقیناً خود کو پالینا ہے سجدے کا ادا ہونا

☆

زِیر ہے کوئی اور نہ زَبر ہے تنہائی سے یکتائی تک
سیدھی سی اِک راہگزر ہے تنہائی سے یکتائی تک

لیکن ویکن شاید وایدچونکہ چنانچہ کچھ بھی نہیں
کچھ نہ اگر ہے کچھ نہ مگر ہے تنہائی سے یکتائی تک

تو ہی اصفل تو ہی احسن توہی ناقص تو ہی کامل
توہی اِدھر ہے توہی اُدھر ہے تنہائی سے یکتائی تک

تجھ پہ کھلے گا ہر اک اوّل تجھ پہ کھلے گا ہر اک آخر
کون خُدا ہے کون بشر ہے تنہائی سے یکتائی تک

دائرہ امکاں سے نکل جا ایں سے نکل جا آں سے نکل جا
تُوہی دُعا ہے تو ہی اثر ہے تنہائی سے یکتائی تک

''ھا'' سے ''ھُو'' تک ھُو سے حق تک ''میں'' سے انائے مطلق تک
تیرا پتا ہے تیری خبر ہے تنہائی سے یکتائی تک

☆

ہے میری جاں کو جان سے جانے کا انتظار
اپنی صدا کے لَوٹ کے آنے کا انتظار

نزدیک ہی کھڑا ہے اُٹھائے ہوئے وہ تیغ
ہے اُس کو میرے سَر کے جھکانے کا انتظار

تم کو ہے عیش چاک گریبانیِ جنوں
کرتے رہو بہار کے آنے کا انتظار

بیتابیِ نگاہ پہ کیسے کُھلے مگر
جلوے کو ہے جو جلوہ دکھانے کا انتظار

جلدی بہت تھی آپ سے جانے کی آپ کو
اب آپ کیجے آپ میں آنے کا انتظار

آپ اپنی کہیے گزریں گے کب اپنے آپ سے
دُنیا کو تو کسی کے ہے آنے کا انتظار

میں خود ہی بڑھ کے تجھ سے کروں گا معانقہ
ہے کس کو تیرے ہاتھ بڑھانے کا انتظار

⌋ è

کون کہتا ہے عبادت میں فنا ہوتی ہے
بندگی خود سے جو گزرے تو خدا ہوتی ہے

دل کی دھڑکن سے ہی آگے نہیں بڑھتا کوئی
کسے معلوم خموشی بھی صدا ہوتی ہے

ایک سورج ہے جو ہر روز نکلتا ہے یہاں
اک قیامت ہے جو ہروز بپا ہوتی ہے

وہم ہے جس کے مُصلے پہ حقیقت کی نماز
اپنے ہی خون میں تَر ہو کے ادا ہوتی ہے

یہ کسی کو نہیں معلوم مگر کہتے ہیں
کہتے ہیں دردِ محبت کی دوا ہوتی ہے

☆

کب کسی کا وصال چاہیے ہے
مجھ کو بس اک خیال چاہیے ہے

دل نہیں ہے جو مطمئن ہو جائے
عقل کو تو سوال چاہیے ہے

اصل کیا اصل کی حقیقت کیا
وہم کو تو مثال چاہیے ہے

لے کے میں کیا کروں ترا ممکن
جب مجھے تُو محال چاہیے ہے

پھوڑ لوں سر کہاں سے لاؤں حال
مست رہنے کو حال چاہیے ہے

چاہیے مُجھ کو ایک صورتِ نور
اور بے خطّ و خال چاہیے ہے

کُھول کر دیکھے کلیاتِ نوؔید
جس کو بھی کوئی فال چاہیے ہے

☆

کافری اختیار کرتا ہوں
بندگی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے کوئی بات کرنی ہو
خامشی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے زندگی سے بھاگنا ہو
زندگی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے سوجھتی ہے پُرکاری
سادگی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے سوجھتی ہے ہشیاری
بے خودی اختیار کرتا ہوں

جب گزرنا ہو مجھ کو غفلت سے
آگہی اختیار کرتا ہوں

جب گزرتا ہوں میں تکبر سے
عاجزی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے عقل گھیر لیتی ہے
عاشقی اختیار کرتا ہوں

جب مجھے بھاگنا ہو سجدے سے
بے دری اختیار کرتا ہوں

جب مجھے بھاگنا ہو خود سے نوؔید
خود کو ہی اختیار کرتا ہوں

☆

نگاہِ مضطرب و قلبِ بے سکون کی نذر
ہے میرا سارا کلام آپ کے جنون کی نذر

وہ جس پہ قائم و دائم ہیں آسمان و زمیں
یہ میری لغزشیں بھی ہیں اُسی ستون کی نذر

تضادِ داخل و خارج کی نذر ہوگئے آپ
کبھی دُرون کی نذر اور کبھی بُرون کی نذر

خبر ہے تم کو ہے کیا اضطراب کی لذّت
تھی ایک زندگی جو تم نے کی سکون کی نذر

رہا اگرچہ بہت میں بھی مُبتلائے جنوں
شعور نے نہیں ہونے دیا جنون کی نذر

جو ایک خوں مِرے ہمزاد کا بہایا گیا
ہے میرا خون بھی یعنی اُسی کے خون کی نذر

☆

یہ جو حق پر لانے کو میں تم کو تنہا کرتا ہوں
جانے تنہا کرتا ہوں میں جانے یکتا کرتا ہوں

مجھ سے نہ پوچھو قیدِ مکاں سے جب سے میں آزاد ہوا
صبح کا ہونا شام کا ہونا کیونکر دیکھا کرتا ہوں

چاہے میرا حال نہ پوچھو کوئی تو یہ پُوچھو مجھ سے
کیوں کو کیوں سوچا کرتا ہوں کیا کو کیا سوچا کرتا ہوں

کیسے کہوں اور کس منہ سے میں تجھ کو تماشا گر آخر
جب میں بھی ہنسے رونے کا ایک تماشا کرتا ہوں

جب نہ اٹھا جاتا ہے مجھ سے مجھ سے نہ جب بیٹھا جاتا ہے
کس سے کہوں کیونکر میں اپنا اٹھنا بیٹھنا کرتا ہوں

اے کاش کہ کُھل جائے تم پر ہے جز وکُل کی حقیقت کیا
دریا کو قطرہ کرتا ہوں قطرے کو دریا کرتا ہوں

☆

بہ وجہِ قحط ارزانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو
بڑی مُشکل سے آسانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

بہت گنجان آبادی میں میں نے زندگی کی ہے
کہوں کیا کیسے ویرانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

میں پتھر کا ہُوا ہوں جب سے اِس آئینہ خانے میں
سمجھ لو تب سے حیرانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

نہ جانے کتنے سرد و گرم سے گزرا ہُوں تب جا کر
ہر اک موسم کی یکسانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

اگر ہے کچھ تو وہ بھی اہرمن ہی کی بدولت ہے
جو کچھ یزداں کی یزدانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

سمجھ میں آیا انسانوں میں انساں بن کے بس رہنا
نہ درویشی نہ سلطانی سمجھ میں آئی ہے مجھ کو

☆

خامشی کے بیاں کی حسرت ہے
مجھ نہاں کو عیاں کی حسرت ہے

کہاں سمجھیں گے یہ کہاں والے
میں جہاں ہوں وہاں کی حسرت ہے

قطرے کو دجلہ ، دجلہ کو قلزم
حرف کو داستاں کی حسرت ہے

جہاں سب کو ہے انتظارِ بہار
وہاں مجھ کو خزاں کی حسرت ہے

کیا کوئی راز ہے کہیں موجود
کیوں مجھے رازداں کی حسرت ہے

کسی صورت ہو یہ جہاں آباد
ایک بے خانماں کی حسرت ہے

اے خدا بھیج کوئی خانہ خراب
بے اماں کو اماں کی حسرت ہے

گزر آیا ہر اک سوال سے میں
اب نہیں کی نہ ہاں کی حسرت ہے

☆

بہ ہر صورت یہ مشکل زندگی آسان ہوجائے
جو خود پر غور کر لے آدمی انسان ہوجائے

کرے پوری وہ پہلے شرط اک انسان ہونے کی
پھر اُس کے بعد وہ سیّد بنے یا خان ہوجائے

یہی کہتا ہوں میں انساں اگر پہچان لے خود کو
حقیقت میں خدا کی بھی اُسے پہچان ہو جائے

خدایا آ گئی ہے موت مجھ کو موت سے پہلے
یقین آئے تو جینے کا کوئی سامان ہو جائے

جہانِ آب و گل کے بیچ اگر انساں نہیں ہے تو
مجھے کیا اہرمن ہوجائے یا یزدان ہو جائے

اثر وہ دے کسی نے گرچہ دیکھا بھی نہ ہو تجھ کو
سُنے جو ذکر تیرا مجھ سے وہ حیران ہو جائے

☆

وہمِ ہجر و صال سے گزرو
ممکناتِ مُحال سے گزرو

حسرتِ حال ہے اگر تم کو
تم پہ لازم ہے حال سے گزرو

اِس میں پوشیدہ ہے ہر ایک جواب
آپ اپنے سوال سے گزرو

چاہیے گر تمھیں سِرا اپنا
ہر عروج و زوال سے گزرو

تم کوئی اسم ہو نہ معنی ہو
حسرتِ خدّوخال سے گزرو

پھر کھلے گا یہ رازِ خاموشی
پہلے تم قیل و قال سے گزرو

کیسے گزرو مگر بتاتے نہیں
کہہ رہے ہیں خیال سے گزرو

تم ہی مقصومِ کن فکاں ہو نویدؔ
اگر اپنے وبال سے گزرو

☆

خوشی کی طرح جو دل میں ملال رہتا ہے
اسی سبب سے جنوں مست حال رہتا ہے

جواب دے کے ہر اک بات کا کہاں چلے تم
ابھی تو تم سے خدا کا سوال رہتا ہے

خلا ہے، میں ہوں، خدا ہے، کہ واہمہ ہے، کوئی
ہے کون مجھ میں جو بن کر مُحال رہتا ہے

تمہیں خبر ہی نہیں اے خیال کے مارو
تمہارے بیچ کوئی بے خیال رہتا ہے

کبھی وجود ہے حاضر کبھی شہود ہے غیب
نظر میں کوئی نہ کوئی وبال رہتا ہے

یہ اور بات کہ پہچانتا نہیں کوئی
ہمارے بیچ وہ بے خدّو خال رہتا ہے

جہاں میں رہتے ہُوئے بھی کوئی نہیں رہتا
وہی ہے رہتا جو بے عرضِ حال رہتا ہے

مثالیہ بھی ہمارا ہماری طرح نوؔید
جہاں کہیں بھی رہے بے مثال رہتا ہے

☆

سورج کی طرح شام کو ڈھلتا بھی نہیں ہوں
مدّت ہوئی اب گھر سے نکلتا بھی نہیں ہوں

مت پوچھ جنوں کی نہ گُماں ہے نہ یقیں ہے
گِرتا بھی نہیں ہُوں میں سنبھلتا بھی نہیں ہُوں

دل بھرگیا یا مَرگیا کیا ہوگیا آخر
کیوں دیکھ کے اب حُسن مچلتا بھی نہیں ہوں

کوئی تو کہو کون ہُوں دل ہوں کہ دیا ہوں
بجھتا بھی نہیں اور میں جلتا بھی نہیں ہوں

سچ کہتا ہوں یہ سازِ ازل جب سے چھڑا ہے
اک سُر پہ میں قائم ہوں بدلتا بھی نہیں ہوں

ہُوں کون خدا جانے الاؤ ہوں کہ مچھ ہوں
جلتا ہوں سلگتا ہوں پگھلتا بھی نہیں ہوں

بس ایک ہی صورت سے لیے جاتا ہوں میں سانس
حیرت تو یہ ہے خود پہ میں گھلتا بھی نہیں ہوں

یکسانی کو روتا ہوں جہاں کی سحر و شام
اور اپنے شب و روز بدلتا بھی نہیں ہوں

☆

نہ پُوچھ جستجوئے حق میں کیا رکاوٹ ہے
خدا کی راہ میں غافل خدا رکاوٹ ہے

پڑا ہے آنکھ پہ پردہ بہ نامِ نظّارہ
سنوں تو کیسے خموشی ،صدا رکاوٹ ہے

دکھا رہا ہے مجھے وہ کہ جو نہیں ہوں میں
میں خود سے کیسے ملوں آئینہ رکاوٹ ہے

فزوں ہو درد تو پہنچا دے مجھ تلک مجھ کو
مگر جو بیچ میں ہے وہ دوا رکاوٹ ہے

نہیں ہے اُس کے مِرے درمیان کچھ بھی مگر
جو درمیاں ہے وہی مدّعا رُکاوٹ ہے

ہے گرچہ حسن کے اظہار کو ادا درکار
مری نگاہ میں لیکن ادا رکاوٹ ہے

کسی کی آنکھ کو مہمیز ہے قبا کا بند
کسی کی آنکھ کو بندِ قبا رکاوٹ ہے

ہے عشق قائم و دائم اِسی تجسس سے
حیا ہے حُسن اگرچہ حیا رکاوٹ ہے

دیا ہے کہتا اندھیرا ہے راہ میں حائل
اندھیرا کہتا ہے مجھ کو دیا رکاوٹ ہے

☆

ہر راز جہاں کا کھول دیا تجھ کو تجھ تک پہنچا بھی دیا
جو کچھ سمجھا، سمجھا بھی دیا جو کچھ دیکھا، دکھلا بھی دیا

تِری عقل کو دل سے جوڑ دیا ترے دل کو عقل سے جوڑ دیا
تجھے ''کیوں'' دے کر تجھے ''کیا'' دے کر اُلجھا بھی دیا سُلجھا بھی دیا

پر تو نے نہ کچھ پیچھے دیکھا پر تو نے نہ کچھ آگے دیکھا
تجھے حال سے باہر لانے کو ماضی بھی دیا فردا بھی دیا

اک تُو ہے غور نہیں کرتا اک تُو ہے فکر نہیں کرتا
تجھے جزو و کل سمجھانے کو قطرہ بھی دیا دریا بھی دیا

پھر گِرد تیرے تیری خاطر اجسامِ فلک کو گردش دی
گردش کو رکھا اک دائرے میں پھر دائرے کو نقطہ بھی دیا

پھر تم سے کہا اِن میں ٹھہرو پھر تم سے کہا اِن سے گزرو
باطن بھی دیا ظاہر بھی دیا پنہاں بھی دیا پیدا بھی دیا

کیا فکر تجھے آغاز کی ہے کیا فکر تجھے انجام کی ہے
جو مثبت و منفی صفر میں ہیں انہیں کھولنے کو تجھے ''لا'' بھی دیا

تری عقل کو موڑ کے تیری سمت ترے دل کو موڑ کے تیری سمت
تجھ کو تیرا قبلہ بھی دیا تجھ کو تیرا کعبہ بھی دیا

☆

پارے کی طرح مضطرب و بے قرار حُسن
دل میں اُتر گیا ہے ترا سوگوار حُسن

حلقہ کیے ہوئے ہے ترے گِرد اک فسوں
جیسے خزاں کے پردے میں ہو پُر بہار حُسن

تا چشمِ بوالہوس نہ پڑے سر سری سی بھی
پُر اعتماد ، سنبھلا ہوا ، باوقار حُسن

جس کے جلو میں ہیں صنم و بندہ و خدا
ظاہر ہیں جس کے حُسن سے یعنی ہزار حُسن

دُنیا کا اور ہی کوئی معیارِ دید ہے
بس ایک مَیں ہُوں جس پہ ہُوا آشکار حُسن

☆

خموشی بن گئی جاں کا زیاں صدا لادو
کہیں سے ڈھونڈ کے مجھ کو کوئی خدا لادو

اگر خدا نہیں لاتے نہ لاؤ میرے لیے
جو ہوسکے تو ذرا ایک آئینہ لادو

کبھی کسی سے کروں گا نہ میں خدا کا سوال
کہیں سے ڈھونڈ کے مجھ کو میرا پتا لادو

کسی بھی طرح مرے دل کو چین تو آئے
خدا نہ لاؤ سرے کا کوئی سرا لادو

یہ میں نے کب کہا مجھ کو خدا ضروری ہے
خدا بغیر ہی جینے کا آسرا لادو

مگر کہاں نیا انساں کہاں پرانا خدا
نئے وجود کی خاطر خدا نیا لادو

خدا سے اچھا تو بُت ہے مری نظر میں نوؔید
کہ ایک ٹوٹے تو تم مجھ کو دوسرا لادو

☆

خدا کا شکر طبیعت کا کام مل گیا ہے
مجھے تلاشِ حقیقت کا کام مل گیا ہے

زمانے سے مجھے ناکارہ کہہ رہے تھے سب
کسی سے مجھ کو محبت کا کام مل گیا ہے

مِرے خدا مِری بے روزگاری ختم ہوئی
کہ پیشِ آئنہ حیرت کا کام مل گیا ہے

خموش رہنا بھی اک کام ہے جہاں کے بیچ
بڑے جتن سے یہ عزت کا کام مل گیا ہے

میں اپنے ہاتھ سے مرضی فروخت کرتا ہوں
سمجھ لو بس مجھے جنت کا کام مل گیا ہے

☆

میں سوچتا ہوں قیامت کہیں نہ آجائے
پلٹ کے پھر وہی وحشت کہیں نہ آجائے

ابھی ابھی تو ملا ہے سکوں، تھما ہے درد
مگر یہ وہم وہ شدّت کہیں نہ آجائے

میں کیسے جان چھڑاؤں گا وہم سے اپنی
خدایا حال میں حالت کہیں نہ آجائے

ابھی تو عقل کی بازی گری سے نکلا ہوں
خدایا دل پہ مصیبت کہیں نہ آجائے

نگاہ کر، کہ مِرے دل میں بڑھ رہا ہے ضعف
مِرے لبوں پہ شکایت کہیں نہ آجائے

☆

تیزی سے زندگی کی طرف آرہا ہوں میں
تیری طرف سے اپنی طرف آرہا ہوں میں

کردی ہے ختم میں نے ہر اک سے خدا کی بحث
انسان و آدمی کی طرف آرہا ہوں میں

جو سوچتا تھا یعنی وہ کرنے لگا ہوں اب
غفلت سے آگہی کی طرف آرہا ہوں

ہر پھر کے جا رہا ہوں اگرچہ میں خود سے دور
ہر پھر کے آپ اپنی طرف آرہا ہوں میں

میری خودی سے یعنی مخاطب ہے اب خدا
تیزی سے خامشی کی طرف آرہا ہوں میں

☆

عقل کی کیسی گزرتی تھی جنوں سے پہلے
''کیا'' کا کیا حال تھا بتلایئے ''کیوں'' سے پہلے

کیفیت کیا تھی، صفت کیا تھی ، عناصر کیا تھے
خون کیا سُرخ ہی تھا ہیتِ خوں سے پہلے

خاص ہے بات ہماری کہ کوئی عام سی بات
کیسے اندازہ لگائیں تِری ''ہُوں'' سے پہلے

کتنا مشکل کیا تو نے اِسے دے کر معنی
کتنی آسان تھی دنیا تیری ''یُوں'' سے پہلے

مست تھے ایک تگ و تازکی دنیا میں سب
مضطرب کوئی نہ تھا خوابِ سکوں سے پہلے

☆

حق سے تم نے سوا تنہائی کے پایا کیا ہے
کوئی در ہے ، کوئی گوشہ ہے ، ٹھکانا کیا ہے

اپنی خلوت میں کیا کون و مکاں کو آباد
اپنے ہجرے میں دیا اپنا جلایا کیا ہے

کب سے سمجھا رہے ہو کوئی سمجھتا ہی نہیں
تم نے اے رشکِ جنوں ایسا بھی سمجھا کیا ہے

جس کی حیرت نے کیا تم کو سراسر تصویر
جو دکھا سکتے نہیں وہ نظر آیا کیا ہے

تم پہ کیا ہو گیا الہام یہ دنیا ہے بُری
تم نے کیا دیکھے بنا دیکھ لی دنیا کیا ہے

مجھ کو دنیا سے اگر کوئی غرض ہو تو کہوں
کیا نہیں رکّھا ہے اِس دُنیا میں رکّھا کیا ہے

☆

نہ پُوچھو آ گہی کی کارِ غفلت کر رہا ہوں میں
ابھی تو کچھ نہ کرنے کی ریاضت کر رہا ہوں میں

بہ ظاہر تم کو لگتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا
میں تم کو کیسے سمجھاؤں محبت کر رہاہوں میں

بہ ظاہر گو نظر آتا نہیں مصروف میں تم کو
کہ پیدا وہم سے روحِ حقیقت کر رہا ہوں میں

اُسی کا نشّہ اجرت ہے اُسی کا نشّہ سرشاری
صلے سے ہو کے بے پروا جو محنت کر رہا ہوں میں

مجھے معلوم ہے یعنی خدا ہے اِس میں پوشدہ
محبت کرکے انساں سے عبادت کر رہا ہوں میں

☆

رات کچھ دل سوا دُکھاتی ہے
صبح ہوتے تو نیند آتی ہے

اے خدا دیکھ کس ثبات کے ساتھ
ہر طرف ایک بے ثباتی ہے

وہ الف میں ہے اور نہ ایک میں ہے
آگہی جو سبق پڑھاتی ہے

چاہے کتنے ہی شور میں ہوں میں
خامشی مجھ کو ڈھونڈ لاتی ہے

درحقیقت ہے زندگی دیوار
موت ہی اُس میں در بناتی ہے

☆

مرحلہ دین کی مشکل کا تھا آسان کیا
کفر ہے جس نے مجھے صاحبِ ایمان کیا

تیری محفل میں جہاں بول رہے تھے سب ہی
ایک خاموشی نے مجھ کو بہت حیران کیا

ایک ہیں عقل کے باطن میں سوال اور جواب
اِک یہی بات ہے جس نے مجھے ہلکان کیا

مجھ سے مَت پوچھیے ارمان نہ کرنے کا سبب
آپ کو کیا مِلا جو آپ نے ارمان کیا

جب کُھلے معنیِ آسائشِ ہستی مُجھ پر
مَیں نے بھی بے سرو سامانی کو سامان کیا

وہ ہیں عیّاش میّسر ہیں جنہیں وصل و فراق
ہم کو تو عشق کے اندوہ نے یرقان کیا

☆

اے خامشی میں تیری صدا کو ترس گیا
بندوں سے کیا کہوں کہ خُدا کو ترس گیا

تم نے تو خوب درد و دوا کے مزے لیے
میں کون تھا کہ درد و دوا کو ترس گیا

وا ہو نہ ہو ہے تم کو میّسر قبا کا بند
میں کیا کروں جو بندِ قبا کو ترس گیا

اے انہماک دیکھ یہ چہرہ دُھواں دُھواں
آئینہ گر تھا میں سو جلا کو ترس گیا

سب کو یہی ہے فکر کہ برسا نہیں ہے ابر
کس کو خبر ہے کوئی ہَوا کو ترس گیا

☆

ابر نے مٹی مہکائی اور بارش تیز ہوئی
اک کمہارن یاد آئی اور بارش تیز ہوئی

خبر نہیں کمہارن کو کب اُس کی چولی بھیگی
کب چُنری سر سے سرک آئی اور بارش تیز ہوئی

بھیگی چولی سے چَھن آئے بھیگے انگ کے رنگ
ایک دھنک سی لہرائی اور بارش تیز ہوئی

گسے ہوئے کورے پنڈے پر جب جب بوند پڑی
خوشبو سے اک آنچ آئی اور بارش تیز ہوئی

ابر سے ٹپکا پانی تن پر تن سے ٹپکا رس
آنکھ پیالے بھر لائی اور بارش تیز ہوئی

اک دوجے کی پریت میں بھیگے نکلے ساتھ نہانے
چھوٹی پڑگئی انگنائی اور بارش تیز ہوئی

☆

نہیں رکھتا میں فرقِ خاص و عام
یعنی یکساں ہے میرا سب سے کلام

تم اگر مجھ کو قتل بھی کردو
میری حُجت مگر نہ ہوگی تمام

میں ابھی ہُوں یہاں ابھی ہوں وہاں
یعنی میرا سفر ہے میرا قیام

اپنے نصفُ النّہار پر ہوں میں
نہ مِری صبح ہے نہ میری شام

ہُوا لمحہ گزارنا مشکل
جب سے دیکھا ہے میں نے خوابِ دوام

میر صاحب ہی ہو گیا مشہور
''کون'' رکھا تھا میں نے اپنا نام

☆

نکلا جو یونہی گھر سے یونہی جو گھر گیا ہے
باہر سے جی رہا ہے اندر سے مَر گیا ہے

وہ جس کے واسطے تھی کم دشت و دَرکی وحشت
لے کر وہ اپنی وسعت جانے کدھر گیا ہے

وہ حُسن تھا کہ خنجر کُھلتا نہیں مُعمّہ
اِس بار دل گیا یا اِس بار سَر گیا ہے

واللہ اب کسی کی کوئی جگہ نہیں ہے
دل اپنا خالی پن سے اِس درجہ بھر گیا ہے

مکتب کے بام و دَر سے اب کون جاکے پوچھے
کیا یاد کرنے آیا کیا بھول کر گیا ہے

رویا ہے یا وہ خود پر یا وہ ہنسا ہے خود پر
جو بھی گیا جہاں سے کیوں چشم تر گیا ہے

☆

بیدار کرکے سب کو خود آپ سو گیا ہے
وہ کیا کرے کہ جس کا اللہ کھو گیا ہے

جو ''کیوں'' ہے اور ''کیا'' ہے کہتے ہیں جو خدا ہے
مجھ دل کو اک خلا کے اندر سموگیا ہے

کیا دن کو رات کہیے کیا کس سے بات کہیے
سب کو یہاں حقیقت کا وہم ہو گیا ہے

آوارگی و وحشت، دیوانگی و ذلّت
ہر وزن اپنے کاندھے پر عشق ڈھو گیا ہے

تم ہنس لو اور ہنس لو تم رولو اور رولو
ہم کو تو اِس جہاں میں سکتا سا ہو گیا ہے

روزہ نماز کا تو پہلے ہی چور تھا وہ
اب تَرک کرکے سب کچھ کافر ہی ہو گیا ہے

☆

دُنیا میں اپنے ہونے کا کوئی تو چراغ جلا جاؤں
یعنی میں جینے مرنے کو مفہوم نیا پہنا جاؤں

کہتے تھے یہ کَل کے دانشور کہتے ہیں یہ آج کے دانشور
باہر سے چلا جاؤں اندر، اندر سے باہر آجاؤں

کہتے ہیں یہ نفرت کے مارے کہتے ہیں یہ چاہت کے مارے
جانے سے پہلے چلاجاؤں آنے سے پہلے آجاؤں

تاچشمِ ہوس چندھیا جائے تری صورت دیکھ نہیں پائے
میں سوچتا ہوں ترے جلوے کو عریانی ہی پہنا جاؤں

مرے ہنسنے سے مرے رونے سے دُنیا کو لینا دینا کیا
میں کِھل جاؤں میں رُل جاؤں کمہلا جاؤں مُرجھا جاؤں

☆

ذرّے کو رشکِ وسعتِ صحرا تو کر دیا
قطرے کو ہم نے کھینچ کے دریا تو کر دیا

دُنیا نے کچھ کیا نہ کیا ہو ہمارے ساتھ
ناخواہ و خواہ خلق میں تنہا تو کر دیا

تھی کس کو یہ خبر کہ پسِ پردہ کون ہے
مجنوں کے عشق نے تجھے لیلیٰ تو کر دیا

خود سے الگ نہ کر سکا شیطان کا وجود
آدم نے تیرے امر کو سجدہ تو کر دیا

انسان کو خدا نے عطا کرکے اپنی فطر
قبلے کا قبلہ کعبے کا کعبہ تو کر دیا

یہ تو بتا کسک کی کسک کا کریں تو کیا
تُو نے ہمارے زخم کو اچھا تو کر دیا

آئے نہ آئے صرف خدا کا ہے انتظار
محشر سا اک خیال نے برپا تو کر دیا

کیا ہو اگر نہ اُس کا عبادت میں دل لگے
انساں کو اِس خیال سے پیدا تو کر دیا

اب دیکھئے دکھاتا ہے کیا ہم کو شوقِ دید
اک آنکھ میں ہر آنکھ کو یکجا تو کر دیا

دب کر خیال کہنہ تلے مرچکی تھی عقل
دے کر خیال نَو اُسے زندہ تو کر دیا

☆

مکر کی دُنیا نہ یہ چلاک دنیا چاہیے
ہم کو تو بس اسلحے سے پاک دنیا چاہیے

خنجرِ باطل کو جو کاٹے گلے کی دھار سے
نُصرتِ انساں کو وہ بیباک دنیا چاہیے

اے خدا اب وقت ہے ظالم کو ظالم سے لڑا
منتقم کہتا ہے عبرت ناک دُنیا چاہیے

اب مُقابل ہیں ولیِ فقہہ اور فوق(۱) البشر
جنگ کے بدلے میں اِن سے پاک دنیا چاہیے

آؤ شامل ہو کہ اِس لمحے جلوسِ وقت کو
جیب و داماں و گریباں چاک دنیا چاہیے

اے خدا نفرت کی یہ سفّاک دنیا دیکھ لی
اب محبت کی ہمیں سفّاک دنیا چاہیے

(۱)Superman

سَلسَبل و کوثر و تسنیم کے ہوتے ہوئے
کب ہمیں لمحے کی یہ خاشاک دنیا چاہیے

دے کے دھوکہ آخرت کا لُوٹتے ہیں وہ جہاں
کہتے ہیں منہ سے کہ ہم کو خاک دنیا چاہیے

ختم کردو سرحدوں کی یہ اجارہ داریاں
ہر بشر کی مشترک املاک دنیا چاہیے

خواب ہے جو انبیا کا اولیا کا ہے جو خواب
ہم کو دنیا ہی میں وہ لولاک دنیا چاہیے

جو بہاہے راہِ حق میں اُس لہوکی ہے پکار
آدم و خاتم کی پُر ادراک دنیا چاہیے

ہم نہیں وہ جوبہل جائیں گے جنت سے نوید
اِس زمیں پر ہی ہمیں افلاک دنیا چاہیے

☆

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیا ہے مِری متاع
تنہائی سے یکتائی ہے کی میں نے اختراع

اگلے قدم کی دوں گا مگر تم کو کل خبر
میں آج آفتاب ہوں کل تک تھا میں شعاع

اپنے ہی دل کے ہاتھ پہ بیعت ہوں میں مگر
کرتا ہوں یعنی اپنے ہی دل کا میں اتباع

کس طرح عقل میں یہ طریقت سمائے گی
اپنی سمجھ میں آئے نہ جب شرع و انشراع

خود کو ہی میں نے کر لیا اپنے لیے دلیل
آخر ہُوا نہ جبکہ مِرا مجھ سے انقطاع

میں نے کہاں طلاق دی دنیا کو اے نوؔید
دُنیا نے مجھ سے مانگی ہے گھبرا کے خود خلاع

☆

یعنی حالت کی کوئی حالت نہیں
اب یہ وحشت ہے کہ اب وحشت نہیں

کیوں نہ ہو جاؤں میں بے صورت کہ اب
اور کوئی دُوسری صورت نہیں

میرے دل میں اب نہیں ہے کوئی بات
آپ کو اِس بات پر حیرت نہیں

ہاتھ پر میرے دھرا ہے مِرا ہاتھ
مَیں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں

کام میں ہی اِس قدر مصروف ہُوں
مُجھ کو مَیں مَیں کرنے کی فُرصت نہیں

خامشی کو مل گئی شاید زباں
کچھ بھی کہنے میں کوئی لُکنت نہیں

☆

اک طرف سارے پری رُو مِرا یار ایک طرف
سب قطار ایک طرف اُس کا شمار ایک طرف

سج کے نکلے تو ہزار آئینے بھی کم پڑجائیں
آئنے ایک طرف اُس کا سینگار ایک طرف

چمک اُس کی سی کہاں ہے دمک اُس کی سی کہاں
آفتاب ایک طرف ہے رُخِ یار ایک طرف

جنبشِ پا نظر آئے نہ ہی نقشِ کفِ پا
رم نور ایک طرف ہے رمِ یار ایک طرف

مہک اُس کی سی کہاں ہے لہک اُس کی سی کہاں
بُوئے گل ایک طرف خوشبوئے یار ایک طرف

رنگ اُس کا سا کہاں نازکی اُس کی سی کہاں
اک طرف باغِ ارم پہلوئے یار ایک طرف

☆

یہ پہلے سے کسے معلوم ہے رستے میں کیا آجائے
میں کوئی موڑ کاٹوں سامنے میرے خُدا آجائے

کوئی تو ہو جو میرے غیب کو بدلے خصوری سے
کہ تو آئے نہ آئے غیب سے ایک آئنہ آجائے

مگر یہ ڈوب کر تجھ پر کُھلے گا تہہ بھی ساحل ہے
اُبھر تو جائے گا بس تُجھ کو تہہ میں ڈوبنا آجائے

یہاں پردے سے سردے مارنے والے بہت سے ہیں
وہی دیکھے گا اپنا جلوہ جو پردہ اُٹھا جائے

خُدایا بس میں سمجھوں گا یہی ہے دیکھنا تجھ کو
ترے بارے میں میری عقل کو گر سوچنا آجائے

میں سمجھوں گا مجھے بھی آ گیا ہے بولنا کچھ کچھ
زبانِ خامشی سے گر مجھے کچھ بولنا آجائے

☆

خرد میں رکھا نہ دیوانگی میں رکھا ہے
خُدا نے رنگِ خودی بے خودی میں رکھا ہے

مگر یہ بات کہ وہ راستی کے بس میں نہیں
جو آگہی کا سِرا گمرہی میں رکھا ہے

اُسے سمجھ نہیں سکتے یہ تیرے سجدہ گزار
جو بندگی کا مزا کافری میں رکھا ہے

مجھے خبر ہے سکونت میں مل نہیں سکتا
وہ اک سکون جو آوارگی میں رکھا ہے

اگرچہ ہے دلِ آوارہ کو طلب گھر کی
مگر وہ گھر کہ جو گھر بے گھری میں رکھا ہے

جسے بھی پھوڑنا ہے سر وہ غیب سے پھوڑے
مِرا خدا تو مِری بُت گری میں رکھا ہے

سوا جنوں کے کوئی اہل ہی نہیں اُس کا
وہ ایک جامہ جو جامہ دری میں رکھا ہے

وجود رکھا ہے جس دل میں اُس خدا نے نوؔید
ستم یہ ہے کہ خلا بھی اُسی میں رکھا ہے

☆

درد و غم سے نباہ کرلے یار
ضبط کو چھوڑ ، آہ کرلے یار

میل دنیا سے رکھ نہ کر جھگڑا
بیچ کی کوئی راہ کرلے یار

چاہتا ہے اگر پناہ کوئی
خود کو تُو بے پناہ کرلے یار

دل سے اپنے قبول کرلے حق
خود کو خود کا گواہ کرلے یار

تُونے اپنی طرف نہیں دیکھا
اِس طرف بھی نگاہ کرلے یار

کھول دے سب پہ دل کا دروازہ
یہ بھی ناخواہ و خواہ کرلے یار

دے کے ناصح کو بھی رعایتِ سہو
اُس سے بھی رسم و راہ کرلے یار

روزو شب کو سنوار نے کے لیے
منتِ مہر و ماہ کرلے یار

تیری حسرت کریں فرشتے نوؔید
ایسا کوئی گناہ کرلے یار

☆

کسی سوال میں غلطان ایک بھی نہ مِلا
خُدا بہت مِلے انسان ایک بھی نہ مِلا

کسی نے بھی نہ اُٹھایا سوالِ دیدہ ودید
کہ پیشِ آئنہ حیران ایک بھی نہ مِلا

بہت سوال مِلے عقل و دل کی مشکل کو
ستم تو یہ ہے کہ آسان ایک بھی نہ مِلا

ہمارا وہم حقیقت سے پھوڑ آیا سَر
مُحال کو مگر امکان ایک بھی نہ مِلا

حواس باختہ ہی آئے سب نظر مجھ کو
بجا ہوں جس کے سب اوسان ایک بھی نہ مِلا

ہزار عشق کے مارے ہوئے مِلے مجھ کو
جسے ہو عقل کا ارمان ایک بھی نہ مِلا

☆

وہ جو خالی تھا جام بھر دیا ہے
آپ نے مجھ کو مست کر دیا ہے

مجھ کو سکھلائی اُس نے بے ہنری
جبکہ دُنیا کو ہر ہنر دیا ہے

گرچہ بخشا ہے اُس نے کارِ دل
ہاں مگر وقت مختصر دیا ہے

اے خداوند شکریہ تیرا
بے گھری کا جو تو نے گھر دیا ہے

اِسی عالم میں اور اک عالم
چشمِ نظّارہ کو مگر دیا ہے

دل کو اُس نے دیا شعورِ جنوں
عقل کو بس اگر مگر دیا ہے

بات دی ہے اگرچہ سادہ سی
اُس نے پر بات میں اثر دیا ہے

☆

آ گہی کے مزے لیے تم نے
زندگی کے مزے لیے تم نے

میری آنکھوں میں بھر کے تاریکی
روشنی کے مزے لیے تم نے

سونپ کر راہِ مستقیم مجھے
گمرہی کے مزے لیے تم نے

ایک ہی در پہ مجھ کو بٹھلا کر
بے دری کے مزے لیے تم نے

دے کے اندوہِ بے دلی مجھ کو
خوش دلی کے مزے لیے تم نے

یعنی الجھا کے غیب میں مجھ کو
بُت گری کے مزے لیے تم نے

مجھ کو دنیا میں عقل سکھلا کر
دل لگی کے مزے لیے تم نے

مجھ کو دکھلا کے راستی کا گھر
خودروی کے مزے لیے تم نے

مجھ کو شرمندگی میں دفنا کر
بندگی کے مزے لیے تم نے

میرے دل کا نہ کچھ خیال کیا
شاعری کے مزے لیے تم نے

☆

تجھ میں مَیں مجھ میں تُو اس طرح گرفتار مِلا
اپنے دیدار کے پیچھے ترا دیدار ملا

سب یہ سمجھے کہ مسیحائی ہم آغوش ہوئی
واقعہ یہ ہے کہ بیمار سے بیمار مِلا

تشنگی روح کی اور جسم کی جب ایک ہو پھر
لب پہ لب رکھ کفِ رخسار سے رخسار مِلا

لوگ پھر جھوٹ ہی اپنا ہمیں کہتے ہوں گے
جب رہِ عشق میں ہم سا ہمیں اک بار مِلا

خاک برسَر مِلا مجھ کو جو مِلا اہلِ جنوں
جو مِلا اہلِ خرد صاحبِ دستار مِلا

تھا وہ غافل نظر آیا جو بہ ظاہر ہشیار
اور جو مست ملا مجھ کو وہ ہشیار مِلا

☆

آوارہ و جنوں زدہ و خوار جان کر
مجھ پر ہنسے ہیں سب مجھے بیکار جان کر

تُو کس قدر حسین ہے دنیا کو کیا خبر
تجھ کو گلے لگایا ہے تلوار جان کر

کس کس کا تُو خدا ہے ہمیں اِس کیا غرض
رہتے ہیں ہم تو مست تجھے یار جان کر

ہم کو نہیں ہے دید کی حسرت کہ ہم ہیں مست
تیرے خیال کو ترا دیدار جان کر

اپنا بھی ایک سلسلہء فقر ہے کہ ہم
ہیں مست سَر کی خاک کو دستار جان کر

☆

یکسر نہیں کُھلا کہ سَراسر نہیں کُھلا
یعنی ترے سوا میں کسی پَر نہیں کُھلا

یہ جان لے کہ در بہ دری بھی نہ راس آئی
گر کوئی دَر وجود کے اندر نہیں کُھلا

ہرلمحہ خود نگاہی پہ اپنی کرے وہ غور
جس پر درونِ ذات کا منظر نہیں کُھلا

میں فیل و اسپ و شاہ و وزیر و پیادہ تھا
پر کیا کروں کہ مجھ پہ کوئی گھر نہیں کُھلا

ہے سادگی میں اپنی وہ پُر پیچ اِس قدر
کُھل کر بھی لگ رہا ہے کہ مجھ پر نہیں کُھلا

اک روشنی نے اُس کو چُھپایا کچھ اِس طرح
مجھ پر کسی کے حُسن کا پیکر نہیں کُھلا

☆

نعمتِ درد سنبھالو کوئی درماں نہ کرو
لذّتِ ہجر کو تُم وصل پہ قُرباں نہ کرو

یہ سمجھ لو کہ مُحبت نہیں ہوتی احسان
یعنی تم سب سے مُحبت کرو احساں نہ کرو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے کب تک
کس نے یہ تم سے کہا ہے کہ تم ارماں نہ کرو

بے دلی سے تمہیں گر دل کو بچانا ہے تو پھر
میری مانو کسی مشکل کو بھی آساں نہ کرو

چھوڑ دو اُس پہ ہی کیا اُس کا برہنہ ہونا
کیا کرو پہلے سے گر دید کا ساماں نہ کرو

☆

ہمارے دل پہ گُزری ہر مصیبت کا خیال آیا
خُدا کا شکر اُن کو بھی محبت کا خیال آیا

تمہارے عشق سے دل میں دَر آئی ہے عجب مستی
نہ دوری کا خیال آیا نہ قربت کا خیال آیا

تمہارے عشق نے مجھ کو کیا ہے مست کچھ ایسا
نہ خلوت کا خیال آیا نہ جلوت کا خیال آیا

تمہارے عشق میں کچھ اِس طرح ڈوبا کہ پھر مجھ کو
نہ دولت کا خیال آیا نہ شہرت کا خیال آیا

تمہارے عشق میں کس طرح گزرا وقت مت پوچھو
نہ کوئی کام یاد آیا نہ فُرصت کا خیال آیا

تمہارے عشق میں گزرا کچھ ایسا رنج و راحت سے
نہ کوئی رنج یاد آیا نہ راحت کا خیال آیا

تمہارے عشق میں دیکھا ہے میں نے اک عجب جلوہ
نہ حیرت کا خیال آیا نہ حسرت کا خیال آیا

تمہارے عشق کے آئینے میں دیکھا جو اپنا قد
خیال آیا نہ کچھ بس تیرے قامت کا خیال آیا

☆

کافری میں تجھے تلاش کیا
بندگی میں تجھے تلاش کیا

میں نے افلاک پر نہیں ڈھونڈا
زندگی میں تجھے تلاش کیا

راستی میں نہ جب نظر آیا
گمرہی میں تجھے تلاش کیا

رنگ میں جب نہ تُو نظر آیا
سادگی میں تجھے تلاش کیا

جب خدا میں نہ تُو نظر آیا
آدمی میں تجھے تلاش کیا

غیب میں جب نہ تو نظر آیا
بُت گری میں تجھے تلاش کیا

جب سکوں میں نہ تُو ملا مجھ کو
بے کلی میں تجھے تلاش کیا

جب نہ اِس اُس میں تُو نظر آیا
آپ ہی میں تجھے تلاش کیا

جب نہ راس آئی مجھ کو سیرابی
تشنگی میں تجھے تلاش کیا

جب نہ تُو شور میں سنائی دیا
خامشی میں تجھے تلاش کیا

جب تکبر میں تُو ملا نہ مجھے
عاجزی میں تجھے تلاش کیا

میں نے بھی ترک کر کے لفّاظی
شاعری میں تجھے تلاش کیا

☆

آہ پر آہ بھر رہا تھا میں
آپ کو یاد کر رہا تھا میں

آپ سمجھے کہ ہے خدا کی بات
آپ کی بات کر رہا تھا میں

مار کر تم نے کر دیا زندہ
جی رہا تھا نہ مر رہا تھا میں

سلسلہ وار جل رہے تھے چراغ
زینہ زینہ اُتر رہا تھا میں

ایک آنچل نے مجھ کو گھیر لیا
جب ہَوا سا گزر رہا تھا میں

سوچتا ہوں کہ اِس خرابے میں
کیا رہا تھا اگر رہا تھا میں

☆

کیوں خود کو وہ قیس اور وہ فرہاد کرے گا
جو عشق کرے گا مجھے اُستاد کرے گا

ہر ایک زمانے میں مجھے پائے گا موجود
جو اپنے زمانے میں مجھے یاد کرے گا

جب غور کرے گا یہ جہاں ''کیا'' ہے یہ ''کیوں'' ہے
انسان مِری فکر کو بنیاد کرے گا

جب پیش کروں گا میں دلیل اپنے کہے کی
چُپ ہوگا کوئی اور کوئی صاد کرے گا

اک طفل کے مانند وہ دنیائیں بنا کر
آباد کرے گا کبھی برباد کرے گا

کافی ہے مجھے ایک ہی دل سہنے کو ہر غم
تُو کتنے ستم اے ستم ایجاد کرے گا

☆

خواب کا عالم کُھلا ہے مجھ پہ بے خوابی کے بعد
تشنگی کیا ہے یہ سمجھا ہُوں میں سیرابی کے بعد

فکر تک میری جو پہنچے کون ہے وہ جبرئیلؑ
میں نے بھی پرواز کی ہے خود میں غرقابی کے بعد

کون ہے تم میں مگر پہنچے جو اصلِ اصل کو
میری ارزانی سے پہلے میری نایابی کے بعد

کون سی گروش ہے اِس گردش میں جو پوشیدہ ہے
کیوں وہی ہے آفتابی یعنی مہتابی کے بعد

کیا حمورابی سے پہلے بھی حمورابی ہی تھا
کیا حمورابی ہی ہوگا پھر حمورابی کے بعد

میری بیتابی نے مجھ کو سوچنے ہی کب دیا
کیا تھا بیتابی سے پہلے کیا ہے بیتابی کے بعد

☆

نہ درد کا نہ دوا کا خیال آتا ہے
بہ شکرِ یار خدا کا خیال آتا ہے

کبھی جو میں رمِ سیّارگاں کو دیکھتا ہوں
کسی کی جنبشِ پا کا خیال آتا ہے

کبھی جو رنگِ شفق لے کے شام آتی ہے
کسی کے رنگِ حنا کا خیال آتا ہے

کبھی جو دیکھتا ہوں اُس کی بے نیازی کو
تو مجھ کو رقصِ صبا کا خیال آتا ہے

جو اپنے جوشِ نمو سے کلی چٹکتی ہے
کسی کے بندِ قبا کا خیال آتا ہے

جو دیکھتا ہوں سرِ شاخ پھول کھلتے ہوئے
مُجھے کسی کی ادا کا خیال آتا ہے

جو زندگی نظر آتی ہے پیچ اندر پیچ
کسی کی زلفِ دوتا کا خیال آتا ہے

کسی کے دودھیا آنچل کی یاد آتی ہے
جو مجھ کو نرم ہوا کا خیال آتا ہے

☆

ہم جو کیا ہوتے کیا نہیں ہوتے
''لا'' ہی ہوتے جو ''لا'' نہیں ہوتے

کچھ تو ہوتے نگاہ میں اپنی
''کیوں'' نہیں ہوتے ''کیا'' نہیں ہوتے

ہم نہ ہوتے جو آپ اپنا سوال
ابتدا انتہا نہیں ہوتے

''ہے کی کیا ہست کیا ''نہیں'' کی نیست
ہم نہ ہوتے تو کیا نہیں ہوتے

کہو سر پھوڑتا کہاں پھر عشق
ہم اگر مبتلا نہیں ہوتے

☆

نہ خوشی ہے اور نہ ملال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے
نہ جواب ہے نہ سوال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

میں کہیں ہُوں یا میں کہیں نہیں میں جہاں ہُوں کیا میں وہیں نہیں
کوئی فکر ہے نہ خیال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

میں کہوں تو کیا کہ کہاں ہُوں میں، میں کہوں تو کیا کہ جہاں ہُوں میں
وہاں ہجر ہے نہ وصال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

میں زماں وماں سے نکل گیا میں مکاں وکاں سے نکل گیا
نہ عروج ہے نہ زوال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

وہی میں ہوں فرشِ الست ہے وہی میں ہُوں مستیِ ہست ہے
وہی رقصِ حالتِ حال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

میں نکل کے خود سے کدھر گیا میں ٹھہر گیا کہ گزر گیا
نہ وہ حال ہے نہ وہ قال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

نہ تو ''ھا'' رہا نہ تو '' ھُو'' رہا نہ تو ''میں'' رہا نہ تو '' تُو'' رہا
کوئی مِثل ہے نہ مثال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

نہ میں ''ہے'' رہا نہ میں ''تھا'' رہا نہ میں ''گا'' رہا نہ میں ''لا'' رہا
اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے اِسے کیا کہوں جو یہ حال ہے

☆

مرے مالک نے مجھے ''تُو'' دے کر مری'' مَیں'' سے جان چھڑائی ہے
مجھے ھَا دے کر مجھے ھُو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

مجھے تم کرکے مجھے گم کرکے قائم کرکے دائم کرکے
مری اک سُو کو ہر سُو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

بھرتا ہی نہ تھا مری میں کا خلا کٹتا ہی نہ تھا مری میں کا گلا
مجھ کو ''تُو'' کا چاقو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

بے زین و لجام تھا ابلَقِ'' تُو'' کیسے پاتا اِس پرقابو
اِس پر مجھ کو قابو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

زخمی ''میں'' کو جاگی ''میں'' کو روئی ''میں'' کو میری ''میں'' کو
''تُو'' نے اپنا زانو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

تاحدّ زماں تاحدّ مکاں مَیں ڈھونڈرہی تھی اپنا نشاں
''تُو'' نے اپنی خو بو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

جانے کب سے تھی ''میں'' بے ''تُو'' جانے کب سے تھی بے پہلو
''تُو'' نے اپنا پہلو دے کر مری میں سے جان چھڑائی ہے

☆

بدن کا کون سا نشّہ تھا جو بدن میں نہ تھا
وہ پیرہن میں تھا اتنا کہ پیرہن میں نہ تھا

سرود و ساقی و جام و شراب و نشّہ و رنگ
وہ کون تھا کہ جو اُس شب اُس انجمن میں نہ تھا

خرام و جستجو و درد و حسرت و امید
سفر کا کون سا حاصل تھا جو تھکن میں نہ تھا

فقیر و سالک و درویش و رند و مست و ملنگ
وہ کون تھا کو جو شامل مرے چلن میں نہ تھا

انیسؔ و غالبؔ و اقبالؔ و شاہبازؔ و میرؔ
وہ رنگ کون سا تھا جو مِرے سخن میں نہ تھا

☆

یہ تُم نے جو خدا کی بات کی ہے
تو کیا دَر پردہ ''لا'' کی بات کی ہے

تو کیا لا ابتدا کی بحث کرکے
کسی لا انتہا کی بات کی ہے

تو کیا تم نے خدا کی بات کرکے
دوائے لا دوا کی بات کی ہے

تو کیا تم نے فنا کا ذکر کرکے
حقیقت میں بقا کی بات کی ہے

یہ ''میں'' کو ''تو'' یہ ''تو'' کو ''میں'' بنا کے
بہم اندر جُدا کی بات کی ہے

☆

یہ تیرا جلوہ اٹھے تو کیسے اٹھے تو کیسے حجاب تیرا
کہ خود ہی تُو ہے سوال تیرا کہ خود ہی تُو ہے جواب تیرا

ہے تو ہی سالک ہے تو ہی خالق ہے تو ہی مالک ہے تو ہی رازق
بجا ہے یومِ الست تیرا بجا ہے یومِ حساب تیرا

جو تجھ پر گزری اَحد پہ گزری جو تجھ پر گزری صمد پہ گزری
ہے صبر تیرا جلال تیرا ہے رحم تیرا عذاب تیرا

مرا گریباں جو میری 'میں' ہے نقاب تیرا جو تیری 'تُو' ہے
میں چاک کرلوں گریباں اپنا تُو چاک کرلے نقاب تیرا

مرا جنوں وہ جنوں نہیں ہے رہے گریباں میں اپنے الجھا
مرا جنوں وہ جنوں ہے صاحب جو چاک کردے نقاب تیرا

پیو کہ کردی ہے میں نے سستی قلندرانہ جنوں کی مستی
کہ بھر دیا ہے پیالہ تیرا کہ کردیا ہے سحاب تیرا

☆

نہ تیرگی نہ کسی روشنی سے پیدا ہوا
جو بس میں ہے وہ مِری بے بسی سے پیدا ہوا

بس ایک لمحے کو رخ پھیر کر اُسے بھی دیکھ
جو اِک زمانہ تِری بے رُخی سے پیدا ہوا

ٹھہر ٹھہر کے ہر اِک گل کو دیکھنے کا خیال
کسی اضافے سے ہے یا کمی سے پیدا ہوا

خرامِ یار مِرا وقت تیرے پاؤں تلے
مِٹا ترے ہی لیے تھا تجھی سے پیدا ہوا

عدم ہی کہیے کہ میرا وجود بھر نہ سکا
اُس اِک خلا کو جو اُس کی کمی سے پیدا ہوا

ہوئی سراب سے یہ میری تشنگی پیدا
کہ یہ سراب مِری تشنگی سے پیدا ہوا

☆

جو حسن کہ حسنِ سادہ ہو پُرکار اُسی کو کہتے ہیں
آساں جو نظر آتا ہے بہت دشوار اُسی کو کہتے ہیں

ہے زنگِ خزانِ آئینہ ہے رنگِ بہارِ آئینہ
ہاں دشت اِسی کو کہتے ہیں گلزار اِسی کو کہتے ہیں

جو سامنے ہو اور گُم بھی ہو جو 'میں' بھی ہو اور 'تم' بھی ہو
جو دید بھی ہو نادید بھی ہو دیدار اُسی کو کہتے ہیں

کہتے ہیں اُسی کو زخم کہ جو ناسور سا رِستا رہتا ہو
جو روگ کی صورت لگ جائے آزار اُسی کو کہتے ہیں

اِک جائے رشکِ فضیلت ہے یہ صاحبِ تاج کو کیا معلوم
جو تن سے سر کے ساتھ اُترے دستار اُسی کو کہتے ہیں

ہر شب جو کرے شب بیداری ہر شب جو کرے آہ وزاری
شبِ فتنہ میں جو سوجائے بیدار اُسی کو کہتے ہیں

☆

ترے در پر ترے در کا گدا ہونے کو آیا ہُوں
یہی ہے مُدّعا بے مُدّعا ہونے کو آیا ہُوں

قضا تھا میں بھٹکتا پھر رہا تھا ہر دو عالم میں
مرے مالک ترے در پر ادا ہونے کو آیا ہُوں

مرے مالک تُو میری بے پری کو پر عطا کر دے
مرض ہوں میں ترے در پر دوا ہونے کو آیا ہُوں

دکھانے آ گیا ہوں میں تو بس بے چارگی اپنی
یہ مَیں نے کب کہا ہے میں خدا ہونے کو آیا ہُوں

عدد ہوں میں کرم سے اپنے مجھ کو بے عدد کر دے
مُقید صفر کے اندر ہوں ''لا'' ہونے کو آیا ہُوں

''اگر'' کو بھی میں جھیل آیا ''مگر'' کو بھی میں جھیل آیا
گزر کر ''کیا'' سے اور ''کیوں'' سے فنا ہونے کو آیا ہُوں

☆

کتنا غافل ہوں میں کہ زندہ ہوں
کتنا کاہل ہوں میں کہ زندہ ہوں

مر گئے سارے عالم و فاضل
کتنا جاہل ہوں میں کہ زندہ ہوں

زندگی منہ چڑا رہی ہے مجھے
کتنا بزدل ہوں میں کہ زندہ ہوں

ساری آسانیاں گنوا کر بھی
کتنا مشکل ہوں میں کہ زندہ ہوں

اپنی تنہائی کرکے بے آباد
کس کی محفل ہُوں میں کہ زندہ ہوں

☆

زندگی مجھ سے چاہتی کیا ہے
آگہی مجھ سے چاہتی کیا ہے

اور کتنا رلائے گی مجھ کو
شاعری مجھ سے چاہتی کیا ہے

اور کتنے خدا بناؤں میں
بندگی مجھ سے چاہتی کیا ہے

لوگ کہنے لگے مجھے بزدل
عاجزی مجھ سے چاہتی کیا ہے

سر سے پا تک بدن چٹخنے لگا
تشنگی مجھ سے چاہتی کیا ہے

اب تو بجھنے کو ہے چراغِ اُمید
بے بسی مجھ سے چاہتی کیا ہے

☆

آپ میں آپ سے گزر گیا میں
ایسا زندہ ہوا کہ مر گیا میں

وقت تھا یا ثبات تھا کیا تھا
ایسا گزرا کہ بس ٹھہر گیا میں

خالی خالی سا خود کو پاتا ہوں
ایسا لگتا ہے جیسے بھر گیا میں

کیا ہے یہ کیفیت نہیں معلوم
جانے سمٹا ہوں یا بکھر گیا میں

اب تو متلی بھی مجھ کو ہوتی نہیں
کس غلاظت کو ہضم کر گیا میں

☆

شام سے دیکھا نہیں تُم کو کہاں ہو صاحب
کیا جہاں کوئی نہیں تُم بھی وہاں ہو صاحب

اس سے پہلے کہ یہ خاموشی بھی ہو جائے خموش
کوئی نکتہ کہ بیاں ہو نہ بیاں ہو صاحب

کچھ نہیں ہو تو چلو بات یہیں ختم کریں
اور کچھ ہو تو ہو کون اور کہاں ہو صاحب

غور کرنا کبھی اُترے جو خمارِ امکاں
وہم ہو شک ہو تصوّر ہو گماں ہو صاحب

خود کو پالو تو ہو اک نقطے میں سمٹے ہوئے تم
ورنہ بس واہمۂ کون و مکاں ہو صاحب

وہ خبر ہو کہ جو جاتی ہے سوئے بے خبری
بے نشانی میں جو گم ہے وہ نشاں ہو صاحب

☆

تیری حسرت کا آخری دن تھا
خود سے وحشت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ جھگڑے کی
دن وہ شدّت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ مِنّت کی
دن اذیّت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی محبت کی
دن وہ نفرت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی توقع کی
دن شکایت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی تعلق کی
تجھ سے نسبت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ آگہی کی
دن وہ غفلت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی توّہم کی
وہ حقیقت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ خفّت کی
دن وہ نخوت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ آفت کی
وہ مصیبت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ عزت کی
دن وہ ذلت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی وہ خلوت کی
دن وہ جلوت کا آخری دن تھا

آخری رات تھی تعجب کی
دن وہ حیرت کا آخری دن تھا

رات تھی ہجر کی وہ آخری رات
دن وہ وصلت کا آخری دن تھا

رات تھی آخری وہ فرصت کی
دن وہ محنت کا آخری دن تھا

رات تھی آخری وہ عزلت کی
دن وہ شہرت کا آخری دن تھا

رات تھی حوصلے کی آخری رات
دن وہ ہمت کا آخری دن تھا

رات تھی ضعف کی وہ آخری رات
دن وہ غربت کا آخری دن تھا

کس قیامت کی تھی وہ آخری رات
کس قیامت کا آخری دن تھا

☆

سب سے پہلے خُدا لکھا جائے
پھر مِرا مدّعا لکھا جائے

کیا لکھوں میں کہ جب خُدا کی جگہ
''کیوں'' لکھا جائے ''کیا'' لکھا جائے

لکھ رہا ہُوں خدا کی بابت مَیں
اپنے بارے میں کیا لکھا جائے

مشرق و مغرب و شمال و جنوب
کیا ہمارا پتا لکھا جائے

لکھی جائے ہمارے حق میں دُعا
جب خُدا کو خدا لکھا جائے

☆

جب خاک میں تکبّرِ گفتار مِل گیا
چُپ کو زباں خموشی کو اظہار مِل گیا

گُزرا جو آئنے سے تو چہرہ مِلا مجھے
آنکھیں ہوئیں جو بند تو دیدار مِل گیا

آخر مِلی جو دید کی حسرت کو تابِ دید
انکار کے نقاب میں اقرار مِل گیا

مَیں خواب دیکھتا تھا مجھے مِل گیا قلم
مَیں لَوح سوچتا تھا رُخِ یار مِل گیا

اب یار کو خُدا نہ کہوں مَیں تو کیا کہوں
نکلا تھا ڈھونڈنے کو خُدا یار مِل گیا

☆

تم کہیں آؤ تم کہیں جاؤ
خود سے پیچھا چُھڑا کے دکھلاؤ

حال پر جب ہو بے دلی طاری
کیا ٹھہر جاؤ کیا گزر جاؤ

زندگی پر ہے نزع کا عالم
برف برساؤ آگ برساؤ

کیا کرو، کیا وجود کر لو ''لا''
اور کتنا خیال دَوڑاؤ

بند کر کے اب اپنی آنکھوں کو
میر احمد نوؔید سو جاؤ

☆

جو نہ سُنتے ہیں خودی کی نہ خدا دیکھتے ہیں
جانے سُنتے ہیں وہ کیا، جانے وہ کیا دیکھتے ہیں

خامشی پُوچھتی ہے اُن سے خلا پُوچھتی ہے
کان سے سنتے ہیں کیا آنکھ سے کیا دیکھتے ہیں

دیکھتے ہیں جو نظر اُن کو بھی آتا نہیں کُچھ
جو نہیں دیکھتے کیا جانیے کیا دیکھتے ہیں

اُن کی دنیا ہی بدل جاتی ہے تجھ سے مل کر
خامشی سنتے ہیں وہ اور وہ صدا دیکھتے ہیں

اُن کے رستے میں نہیں آتے کہیں ہجر و وصال
درد کو دیکھتے ہیں وہ نہ دوا دیکھتے ہیں

تیری محفل میں جنھیں بیٹھنا ہو جائے نصیب
وہ فنا دیکھتے ہیں اور نہ بقا دیکھتے ہیں

کوئی آتا ہے سرِ راہ تو جاتا ہے کوئی
بیچ میں آپ کھڑے وقت کو کیا دیکھتے ہیں

کیا تماشائے مہ و مہر نہیں دیکھتے آپ
اور اگر دیکھتے ہیں آپ تو کیا دیکھتے ہیں

ہم ہیں انساں ہمیں ہے صرف مُحبّت سے غرض
نہ بُرا دیکھتے ہیں ہم نہ بھلا دیکھتے ہیں

☆

نہیں کچھ اور نہیں کچھ بھی جنوں کی حسرت
ہے مِرے خوں کو تو بس میرے ہی خوں کی حسرت

جب سے دیکھا وہ مرے حالِ زبوں پر خوش ہیں
ہو زبوں اور یہ ہے حالِ زبوں کی حسرت

اے خُدا تُو ہی بتا تجھ کو کہاں سے لاؤں
رہ گئی دل میں خلا بن کے دُروں کی حسرت

جب نہ مِلنا ہے کسی سے نہ جُدا ہونا ہے
یوں کی حسرت ہے کوئی دل میں نہ ووں کی حسرت

بے دلی جانیے یا کہیے اِسے سرشاری
اب نہ ''کیا'' کی کوئی خواہش ہے نہ ''کیوں'' کی حسرت

☆

مسئلہ عشق کی اَنا کا نہیں
درد کا جو نہیں دوا کا نہیں

درمیاں ہونے کے خُدا کو نہ لا
مسئلہ میرا ہے خُدا کا نہیں

گونجتی ہے یہ بے خودی کی اذاں
جو خودی کا نہیں خُدا کا نہیں

جانتی ہے ہَوائے شہر مجھے
اپنی مرضی کا ہُوں، ہَوا کا نہیں

نہ مجھے خوف ہے نہ لالچ ہے
میں سزا کا نہیں جزا کا نہیں

☆

ہم جس کو جانتے ہیں مُحبّت کی بات ہے
وہ بات اُن کے واسطے وحشت کی بات ہے

اوّل کوئی سِرا ہے نہ آخر کوئی سِرا
اِس بات کا نہ جاننا غفلت کی بات ہے

مزدوریِ سوال سے فرصت نہیں ہمیں
کیا عشق کیا جنوں یہ فراغت کی بات ہے

غم میں کہاں دوام خوشی میں کہاں ثبات
یہ کیفیت کی بات ہے حالت کی بات ہے

اہلِ خبر کے واسطے مکرِلطیف ہے
تم جس کو کہہ رہے ہو عبادت کی بات ہے

مِل جائے تُو کسی کو یہ توفیق کی ہے بات
مُشکل کی بات ہے نہ سہولت کی بات ہے

یہ سطر سطر عالمِ ''ھُو'' کا فسانہ ہے
خلوت کی بات ہے نہ یہ جلوت کی بات ہے

یہ شاعری نہیں ہے یہ کچھ اور ہے نوؔید
ہے واہ وا کی بات نہ شہرت کی بات ہے

☆

آغاز کب ہُوا تھا سفر یاد بھی نہیں
ہم تھے کدھر، تھی راہ کدھر، یاد بھی نہیں

کس موڑ پر مڑے تھے کدھر سے کدھر کو ہم
وہ موڑ اور وہ راہ گزر یاد بھی نہیں

ہم مست کوئے یار تک آئے تھے کس طرح
تھے خوں میں تر کہ خاک بسر یاد بھی نہیں

کس کس طرح کھُلے تھے وہ بندِقبا کے بند
ٹھہری کہاں کہاں تھی نظر یاد بھی نہیں

کس طرح پہنچے عالمِ ''ھُو'' میں کہیں تو کیا
پرواز یاد بھی نہیں پر یاد بھی نہیں

ناسُوت و عرش و سرمد و لاہوت و لامکاں
آوارگی کو اب کوئی گھر یاد بھی نہیں

اب ہم وہاں ہیں وقت جہاں ہو گیا ہے صفر
گردش میں کب تھے شام و سحر یاد بھی نہیں

گھیرا ہے ایسے بے خبری نے مجھے کہ بس
مجھ بے خبر کو اپنی خبر یاد بھی نہیں

☆

چلیں پھر خاک اُڑانے انہی گلیوں میں چلیں
تھے جہاں اپنے ٹھکانے انہی گلیوں میں چلیں

پھول گرتے تھے درختوں سے اٹھاتے ہی نہ تھے
ایک اک پھول اٹھانے انہی گلیوں میں چلیں

نہ صدا دیں گے نہ دروازوں پہ دستک دیں گے
بس گزرنے کے بہانے انہی گلیوں میں چلیں

وہیں رہتے تھے جہاں ہم اُسی دروازے کی
یونہی زنجیر ہلانے انہی گلیوں میں چلیں

ٹھنڈا ٹھنڈا سا وہ مہکا ہُوا درگاہ کا فرش
فرش پر لوٹ لگانے انہی گلیوں میں چلیں

وہ ابھی تک اُسی درگاہ میں رہتی ہے سنا
کچھ اُسے یاد دلانے انہی گلیوں میں چلیں

اب بھی استادہ ہے نُکڑ پہ وہ بوڑھا برگد
کچھ اُسے حال سنانے انہی گلیوں میں چلیں

☆

یاد آئے گی جب تُم کو وفا میں نہیں ہُوں گا
ڈھونڈوگے تُم اے اہلِ جفا میں نہیں ہُوں گا

ہُوں برگِ گُلِ دہر پہ میں قطرۂ شبنم
لمحہ کوئی آکر جو گیا میں نہیں ہُوں گا

اُس باغ میں ہر صُبح کے مانند نہ پا کر
لینے مجھے آئے گی صبا میں نہیں ہُوں گا

بھولے رہو تم اور ابھی میری ریاضت
یاد آئے گا جب تم کو صلہ میں نہیں ہُوں گا

آچھا ابھی سُن کر نہ سنو تُم مری آواز
پھر جب مجھے تُم دو گے صدا میں نہیں ہُوں گا

از بس کہ تصوّر میں بدل جائے گی تصویر
رہ جائے گی بس میری صدا میں نہیں ہُوں گا

☆

پوچھتے کیا ہو کہ کیا چاہیے ہے
مُجھ کو دنیا کا بھلا چاہیے ہے

نہ تسلّی نہ دلاسہ نہ اُمید
درد کو صرف دوا چاہیے ہے

چاہیے ہے مجھے بس جلوۂ یار
اور بے چون و چرا چاہیے ہے

اُس کو قُدرت نے دیا ہے امکان
اور انسان کو کیا چاہیے ہے

کر نہ اُنگشتِ شہادت کو بُلند
کب کہا مَیں نے خلا چاہیے ہے

☆

کس قدر حبس ہے تھوڑی سی ہَوا چاہیے ہے
مَیں بھی انسان ہُوں مجھ کو بھی خدا چاہیے ہے

یہ الگ بات خُدا بھی نہیں بننا منظور
کبریائی کا مگر مجھ کو مزا چاہیے ہے

مَیں خدا تو نہیں مَیں کیوں رکھوں ایک اک کا حساب
کسے کیا مِل رہا ہے اور کسے کیا چاہیے ہے

اور کیا چاہیے اندھے کو فقط دو آنکھیں
مجھ سے کیا پُوچھ رہے ہو مجھے کیا چاہیے ہے

انتظار اُس کا کہ وصل اُس کا مُجھے سوچنے دے
سوچنے دے مُجھے اے عشق کہ کیا چاہیے ہے

حُسن بے جلوہ ہے ظاہر اُسے ہونے کے لیے
غمزہ و عشوہ و انداز و ادا چاہیے ہے

مجھ کو درکار ہے دُنیا ترے ہونے کا جواز
اِس طرح جیسے اندھیرے کو دیا چاہیے ہے

☆

جب نہ سوچا جا سکے گا تب ہی سوچا جائے گا
لفظ جب کھو دیں گے معنی پھر ہی لکّھا جائے گا

بات جب ہوگی نہ ہوگا بات جب کرنے کا وقت
یہ زباں جب گُنگ ہوگی تب ہی بولا جائے گا

ہوکے محرومِ سماعت ہی سُنیں گے بات کان
جب نہ دیکھا جا سکے گا تب ہی دیکھا جائے گا

حال میں تیرے نہ عقل و دل اگر یکجا ہوئے
عقل سے جائے گا ماضی دل سے فردا جائے گا

گر یہی حالت رہی تیری تو تجھ سے اِے نوؔید
کچھ نہ سوچا جائے گا اور کچھ نہ سمجھا جائے گا

☆

شدّتِ اظہار سے لہجے میں لُکنت آگئی
غیب سے مصرعہ یہ آیا ہے کہ آیت آگئی

کیا ضروری ہے محبت میں محبت کا شعور
عشق کو کیا عقل آئی اک مصیبت آگئی

خود کو بُن لیتا مَیں اپنے گِرد مِثلِ عنکبوت
وہ تو کہیے درمیاں وحشت کی ساعت آگئی

کر رہا تھا دل لگا کر میں تو کارِ بے دلی
بیچ میں کیا جانیے کیسے یہ فُرصت آگئی

ہو رہی ہے کس لیے خلقت کی خلقت بے حواس
جو نہ آنی تھی کبھی کیا وہ قیامت آگئی

☆

کب کسی کا کلام پڑھتے ہیں
لوگ تو صرف نام پڑھتے ہیں

کون سمجھے جنونِ اہلِ جنوں
لکھتے فرصت ہیں کام پڑھتے ہیں

اور کیا لکھنا اور کیا پڑھنا
غیب لکھتے ہیں جام پڑھتے ہیں

کیوں نہ ہم پر کھلے حقیقتِ ''لا''
جب الف صبح و شام پڑھتے ہیں

آپ پڑھ کر زرا بتائیں تو
خاص کو کیسے عام پڑھتے ہیں

سوچنے کی نہیں جنھیں فرصت
صبح لکھتے ہیں شام پڑھتے ہیں

☆

جزو و کُل کا تماشا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں
قطرہ کیا ہے دریا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں

اوّل کیا ہے آخر کیا ہے باطن کیا ہے ظاہر کیا ہے
پنہاں کیا ہے پیدا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں

ارزاں کیا ہے عنقا کیا ہے جلوہ کیا ہے پردہ کیا ہے
دیکھا کیا ہے نہ دیکھا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں

رہنا کیا ہے نہ رہنا کیا ہے روشنی کیا ہے اندھیرا کیا ہے
ماضی کیا ہے فردا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں

جلنا کیا ہے بُجھنا کیا ہے چلنا کیا ہے رُکنا کیا ہے
منزل کیا ہے رستا کیا ہے تُم بھی سوچو مَیں بھی سوچوں

☆

جو یانِ سرِّ قدر و قضا جاگتے رہو
مِل جائے گا خدا بہ خدا جاگتے رہو

یہ جان لو پلک سے پلک بھی اگر لگی
کھوجائے گا سِرے کا سِرا جاگتے رہو

تکتے رہو فراق میں جلتے دیے کی لَو
اس درد کی یہی ہے دوا جاگتے رہو

کب خواب سے بہلتے ہیں رندانِ مستِ صبح
لینا ہے تم کو نیند سے کیا جاگتے رہو

ہوتا ہے یعنی خواب تو سونے کے واسطے
ہے جاگنے کا بس یہ صلہ جاگتے رہو

اصحابِ کہف کی طرح سو جاؤ اے نوؔید
یعنی بسانِ صبح و مَسا جاگتے رہو

☆

سوئے ہوؤں کے بیچ یہ بیدار کون ہے
جو کھولتا ہے غیب کے اَسرار کون ہے

خلوت جسے نصیب ہے یارانِ خاص کی
اوارہ گردِ کوچہ و بازار کون ہے

زنجیرِ روز و شب کے اسیروں کو کیا خبر
آزاد اِن میں کون گرفتار کون ہے

گر کھول دوں یہ راز تو دنیا پلٹ نہ جائے
ہے کون محوِ خواب تو بیدار کون ہے

اُٹھیں جو پردہ ہائے حقیقت تو یہ کُھلے
مستی میں مست کون ہے ہشیار کون ہے

سوئے ہوؤں کو اِس کی خبر ہی نہیں نوؔید
اصحابِ کہف کی طرح بیدار کون ہے

☆

ہو خود کو جو پاکر کوئی کامل تو مجھے کیا
رہ جائے کوئی خود سے جو غافل تو مجھے کیا

میں کیا کروں طوفان جو راس آئے کسی کو
بے حال ہو کوئی سرِ ساحل تو مجھے کیا

میں کیا کروں گر راہگزر کوئی بسالے
کھو دے کوئی خود کو سرِ منزل تو مجھے کیا

میں کیا کروں گر کوئی یہاں خاک اُڑائے
چُن لے کوئی اپنے لیے محمل تو مجھے کیا

میں کیا کروں گر باندھ کے شہپر کوئی اڑجائے
پہنے کوئی گر طوق و سلاسل تو مجھے کیا

میں کیا کروں آسانی کو ڈھونڈے کوئی مشکل
آسانی کسی کو لگے مشکل تو مجھے کیا

☆

فراق و وصل کی حالت میں دل لگے کیونکر
نہ ہو جو حال محبت میں دل لگے کیونکر

کہاں سے لاؤں مگر ڈھونڈ کر میں شک و گماں
نہ ہو جو وہم حقیقت میں دل لگے کیونکر

یہ بات دل کو مگر عقل کیسے سمجھائے
نہ ہو امید تو حسرت میں دل لگے کیونکر

ملے ہیں ہوش و جنوں کو مگر یہ چاک و رفو
نہ ہو جو کام تو فرصت میں دل لگے کیونکر

مگر یہ دل کی لگی عقل کس طرح سمجھے
نہ ہو جو عشق تو وحشت میں دل لگے کیونکر

مگر اک آئنہ جلوت کو چاہیے ہمہ وقت
نہ ہو جو خواب تو خلوت میں دل لگے کیونکر

☆

نہ آہ چاہیے مجھ کو نہ واہ چاہیے ہے
جو خود پہ غور کرے وہ نگاہ چاہیے ہے

نہ کوئی حرفِ تسلی نہ کوئی خوابِ امید
کہ بے پناہ کو تو بس پناہ چاہیے ہے

نہ کچھ ستارہ و منزل نہ کچھ قیام و مقام
سفر کے شوق کو تو صرف راہ چاہیے ہے

میں خود ہی قتل ہوں خود خوں بہا ہوں خود قاتل
وہ ہوں گے اور کہ جن کو گواہ چاہیے ہے

مجھی سے جنگ ہے میری ورائے طبل و علم
تمہیں تو فتح کی خاطر سپاہ چاہیے ہے

کہ میں ہوں دائرہ صبح و شام سے باہر
نہ مہر چاہیے مجھے نہ ماہ چاہیے ہے

☆

وہاں قطرے کو دریا چاہیے ہے
جہاں پر اُن کو جلوہ چاہیے ہے

وہاں ہے سرکشی مطلوب مجھ کو
جہاں پر اُن کو سجدہ چاہیے ہے

وہاں درکار عُریانی ہے مجھ کو
جہاں پر اُن کو پردہ چاہیے ہے

وہاں پھر لازمی ہے میرا ہونا
جہاں اُن کو تماشا چاہیے ہے

وہاں ہے عقل کی آئینہ خواہش
جہاں حیرت کو دُنیا چاہیے ہے

وہاں کیا کام دل کی سادگی کا
جہاں ''کیوں'' چاہیے ''کیا'' چاہیے ہے

تجھے خواہش نے کیا دھوکا دیا ہے
کہ اپنا آپ تجھ سے کھو گیا ہے

وہی خواہش کے بعد ایک اور خواہش
بتا خواہش سے تجھ کو کیا ملا ہے

کرے گا غور تو تجھ پر کُھلے گا
کہ خواہش تو فقط حرص و ہوا ہے

ہر اک خواہش جہاں دم توڑتی ہے
وہیں تیری حقیقت کا سِرا ہے

سمجھ لے ترکِ خواہش بھی ہے خواہش
جو خواہش سے گزرنا مرحلہ ہے

سمجھ لے بس وہی زندہ بچے گا
جو موت آنے سے پہلے مر گیا ہے

یہاں ہو کر بھی وہ ہوتا نہیں ہے
جو ہونے کی حقیقت جانتا ہے

اُسی میں ہر ازل ہے ہر ابد ہے
جو تجھ سے تجھ تلک کا فاصلہ ہے

اُسے تو اپنا آئینہ سمجھ لے
ترے آگے جو یہ پردہ پڑا ہے

کُھلے گا تجھ پہ جس دم تیرا ہونا
کُھلے گا تیرے ہونے میں خدا ہے

☆

کیا ارض و سماء اپنا پتا بھی نہ رہا یاد
یوں کھوئے خدا میں کہ خدا بھی نہ رہا یاد

کیا کس سے کہیں عقل پہ ایسی پڑی اُفتاد
''کیوں'' بھول گئے ہم، ہمیں ''کیا'' بھی نہ رہا یاد

خاموشی نے اِس دل کو کچھ اِس طرح سے گھیرا
وہ سلسلۂ صوت و صدا بھی نہ رہا یاد

کیا کہیے کہ احساس کہاں مر گیا جاکر
وہ سلسلۂ درد و دوا بھی نہ رہا یاد

کیا کہیے کہ یہ کیسا سبق سامنے آیا
سب بھول گئے ، یاد کِیا بھی نہ رہا یاد

کچھ اِس طرح لاحق ہُوا اِس فکر کو فردا
''ہے'' بھی نہ رہا یاد کہ ''تھا'' بھی نہ رہا یاد

کیا جانیے کس بھید میں تحلیل ہُوئے سُر
کیا روہی و امروہی کہ سَا بھی نہ رہا یاد

مابینِ دل و دید تو ویسے بھی نہ تھا کچھ
بس ایک خلا تھا سو خلا بھی نہ رہا یاد

کیا کہیے کہ ہم اہلِ خرد کارِ جنوں میں
مصروف ہوئے یوں کہ صلہ بھی نہ رہا یاد

وہ فرصتِ مے نوشی کے دن ایسے ہوئے خواب
وہ سلسلۂ ابر و ہَوا بھی نہ رہا یاد

☆

کیا خبر یہ کوچہ گردی کیا دکھاتی ہے مجھے
خاک اُڑاتا ہوں میں جانے خاک اُڑاتی ہے مجھے

اور اگر انساں بنوں میں چھوڑ کر سب رنگ و نسل
کہتے ہیں یہ بات لامذہب بناتی ہے مجھے

تیری دوزخ سے مگر اے شیخ میں ڈرتا نہیں
بات دوزخ سے نہ ڈرنے کی ڈراتی ہے مجھے

شور سے اپنے نکل جا لے کے اپنی خامشی
شب کے سناٹے میں اک آواز آتی ہے مجھے

صبح کو بکھروں کہاں میں شام کو سمٹوں کہاں
صبح ڈستی ہے مجھے اور شام کھاتی ہے مجھے

جب بھی کرتا ہوں خدا کا آئنے سے مَیں سوال
سطحِ آئینہ میری صورت دکھاتی ہے مجھے

☆

اک لمحہ بھی جنون کی محنت نہ کم ہوئی
وحشت میں تھی جو میرے وہ شدت نہ کم ہوئی

لے آئے سب اگرچہ خدا کو جواب میں
لیکن مِرے سوال کی حیرت نہ کم ہوئی

یوسف کا قصہ عشقِ زلیخا کی داستاں
بے قیمتی سے بھی مِری قیمت نہ کم ہوئی

دانشوری نے سب کی کیا گرچہ دل نڈھال
انساں کی میرے دل سے محبت نہ کم ہوئی

زردیِ حجر سرخیِ وصل اور کیا کہوں
اک عشق میں کبھی مِری رنگت نہ کم ہوئی

دُنیا کی واہ وا سے نہ بہلا ہمارا دل
کچھ کم ہُوا نہ ضعف نقاہت نہ کم ہوئی

☆

جان سے ہوں میں اپنی جاسکتا
آپ کا دل نہیں دُکھا سکتا

آنکھ میں تھا مِرے لہو یعنی
اشک ہوتا تو میں چُھپا سکتا

اے خدا درد کس کو دکھلاؤں
زخم ہوتا تو میں دکھا سکتا

میں بڑھا سکتا گر دیے کی لَو
رات کو صبح سے مِلا سکتا

مجھ کو گر فرصتِ خدا ہوتی
خاک سے آئنہ بنا سکتا

نغمہ و نوحہ بھول جاتے تم
کاش میں خامشی سنا سکتا

☆

جواب دے کہ نہ دے احترام کر رکھا ہے
ترے سلام سے پہلے سلام کر رکھا ہے

کسی کو ہو تو ہو اندیشۂ سوال و جواب
یہاں تو وقت سے پہلے ہی کام کر رکھا ہے

یہ کون جانے کہ اک خاص بات کی خاطر
کسی نے اپنی حقیقت کو عام کر رکھا ہے

کسی طریق کا پھر کیوں نہ اتباع کرے
وہ جس نے سوچنا خود پر حرام کر رکھا ہے

تجھے خبر ہی نہیں اے اسیرِ آزادی
کہ بے لگامی کو تُو نے لگام کر رکھا ہے

ہر اک کی مرضی ہے آئے کوئی نہ آئے کوئی
برائے دعوتِ عام اہتمام کر رکھا ہے

☆

میرا ہے کیا جیوں نہ جیوں آپ خوش رہیں
میں چاہے خوش رہوں نہ رہوں آپ خوش رہیں

اک آپ ماورائے طلوع و غروب ہیں
میں شمع ساں جلوں نہ جلوں آپ خوش رہیں

ہونے میں آپ نے تو خدا ہونا پالیا
میں مجھ سے ہی مِلوں نہ مِلوں آپ خوش رہیں

بیٹھے بٹھائے آپ کو تو مل گیا ثبات
میں چاہے کچھ بنوں نہ بنوں آپ خوش رہیں

اب رہیے خوش کہ آپ کو پرواز مل گئی
میں خاک سے اُٹھوں نہ اُٹھوں آپ خوش رہیں

گریے میں آپ نے تو ہر اک راز پالیا
میں خود پہ ہی ہنسوں نہ ہنسوں آپ خوش رہیں

دکھ سکھ کے جینے مرنے کے لیں آپ تو مزے
میں زندگی کروں نہ کروں آپ خوش رہیں

☆

مجھے انساں پہ اُس کی آگہی آسان کرنا ہے
بہر صورت یہ مشکل زندگی آسان کرنا ہے

بنانا ہے مجھے زنگار سے اک آئنہ خانہ
اندھیرے کی مدد سے روشنی آسان کرنا ہے

کرانا ہے بہر صورت تجھے سیر مقامِ ھُو
مجھے تیری خودی پر بے خودی آسان کرنا ہے

خدا مشکل اگر ہے تو مجھے کیا اُس کی مشکل سے
کہ میرا مسئلہ تو بندگی آسان کرنا ہے

بنا کر جس کو مطلق کر دیا ہے دُور انساں سے
دکھایا ہے جسے مشکل وہی آسان کرنا ہے

نئی دنیا کو دینا ہیں مجھے یعنی نئے معنی
نئے انسان پر غم کی خوشی آسان کرنا ہے

میں کیوں گدلا کروں پانی تمہیں گہرا دکھانے کو
بیاں کرنا ہے نقطہ شاعری آسان کرنا ہے

☆

صورت گریِ خوابِ تمنا کو نہ دیکھا
کیا دیکھا جو یوسفؑ نے زلیخا کو نہ دیکھا

یہ دائرہ کس طرح سے پھر ہوگا مکمّل
پنہاں نے اگر آپ میں پیدا کو نہ دیکھا

سب دیکھا مگر تو نے دل و دیدہ کے ہوتے
دنیا میں چھُپی دوسری دنیا کو نہ دیکھا

یہ دیکھ کہ کیا کہتی ہے تجھ سے خلشِ حال
ماضی کو نہیں دیکھا جو فردا کو نہ دیکھا

تم پر نہ کُھلے گا یہ تماشائے کل و جزو
گر سلسلۂ قطرہ و دریا کو نہ دیکھا

نادیدہ تھا یہ درد بھی اے حالتِ بے حال
پھر کیا ہوا گر میں نے مسیحا کو نہ دیکھا

☆

تماشا گہہ میں تماشا عجیب ہوتا رہا
پلک نہ عقل نے جھپکی اور عشق سوتا رہا

کسی کی آنکھ میں ہر آن خاک اُڑاتی رہی
لہو کے اشک کوئی خوش نصیب روتا رہا

کسی نے ڈھونڈ لیا اضطراب میں ہی سکوں
کوئی کہ چین کی حسرت میں چین کھوتا رہا

کہاں یہ کارِ جنوں اور کہاں طلوع و غروب
کہ ایک وزن میں سورج کے ساتھ ڈھوتا رہا

کسے خیال کہ میں اپنی بے خیالی میں
ابھارتا رہا کیا جانے کیا ڈبوتا رہا

خبر نہیں کہ میں کیوں کشتِ دل سنوارا کیا
یہ کسی امید پہ دل میں امید بوتا رہا

☆

یہی سمجھا اگر میں سمجھا کچھ
ہے جو ہونا وہ ہے نہ ہونا کچھ

کون سناٹا کون خاموشی
دل کی تہہ سے مگر نہ نکلا کچھ

پھر حقیقت میں دل لگا نہ مِرا
خواب میں دیکھا مَیں نے ایسا کچھ

جھٹ سے دل دے دیا اُسے مَیں نے
آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا کچھ

غم مُجھے کچھ نہ جاننے کا ہے
خوش نہ رہتا اگر میں جانتا کچھ

دیکھتے ہیں سبھی بہ قدرِ نظر
میں بھی اے کاش دیکھ سکتا کچھ

☆

خامشی کا جواب خاموشی
تیرا میرا حجاب خاموشی

بس کہ تیرے کلام کے آگے
ہوئی ہے لاجواب خاموشی

اک طرف بے حساب نطق کا شور
اک طرف بے حساب خاموشی

ہے خبر عشق کی سماعت کو
حسن کی ہے کتاب خاموشی

محوِ حیرت نہ کیوں ہو تیرا سکوں
ہے مِرا اضطراب خاموشی

اور نشّہ ہے میرا نشّۂ ''ھُو''
اور میری شراب خاموشی

☆

کہوں تو کس سے مگر کیا ہے عشق کا آنسو
خدا کے حُسن سے پیدا ہے عشق کا آنسو

سکوتِ سرمدی پھیلا ہوا تھا گِردِ خدا
یہ کس خموشی میں بولا ہے عشق کا آنسو

خوشی و غم کا ہر آنسو نثار ہے اُس پر
جو تیری چشم سے ٹپکا ہے عشق کا آنسو

دل و جگر کی گُدازی بھی محوِ حیرت ہے
یہ کس مقام سے نکلا ہے عشق کا آنسو

خجل ہے سامنے اُس کے اگرچہ گریۂ نوح
مگر جو دیکھے قطرہ ہے عشق کا آنسو

وہاں کرے تو کرے کون کیفیت کا بیاں
جہاں سے ہو کے گزرتا ہے عشق کا آنسو

☆

اِس لیے بندہ بنا ، تھا مجھ کو مٹ جانے کا شوق
میں خدا ہوتا جو رکھتا خود کو منوانے کا شوق

یا تو میں دیوانہ ہوتا یا میں ہوتا ہوش مند
مست کب ہوتا جو رکھتا کچھ بھی کہلانے کا شوق

پھر دلِ آوارہ لگتا تو ٹھکانے کس طرح
جب نہ بُت خانے کی حسرت تھی نہ مے خانے کا شوق

کون سمجھے گا مگر کیونکر میں بے چہرہ ہوا
میرے چہرے کو بہت تھا آئنہ خانے کا شوق

اے فلاں ابنِ فلاں ابنِ فلاں ، ابنِ فلاں
جانے کب پورا ہوا تیرا خود کو دہرانے کا شوق

سوچتا ہوں بے دلی لے کر کہاں جاؤں نوؔید
جب نہ آبادی کی حسرت ہے نہ ویرانے کا شوق

☆

پنہاں ہے تو پیدا سے نکل کر کہاں جائے
قطرہ کہو دریا سے نکل کر کہاں جائے

ہو جائے ہَوا ہے یہ فقط پانی کے بس میں
محدود مگر ''لا'' سے نکل کر کہاں جائے

کیا قید ہے اِس عقل کی اے وہمِ حقیقت
اِس ''کیوں'' سے اور اِس ''کیا'' سے نکل کر کہاں جائے

ہونے سے نہ ظاہر ہو نہ ہونا تو کرے کیا
ہے حشر تو برپا سے نکل کر کہاں جائے

خاموشی اگر نطق سے نکلے تو کرے کیا
ہے لفظ تو معنیٰ سے نکل کر کہاں جائے

پھر کیا کرے انسان بسائے نہ اگر دیر
کعبے سے کلیسا سے نکل کر کہاں جائے

ڈھونڈے سروپائی میں نہ کیوں بے سروپائی
انسان سروپا سے نکل کر کہاں جائے

کتنا کوئی پھیلاؤ کو نقطے میں سمیٹے
ارزاں ہے تو عنقا سے نکل کر کہاں جائے

یوسفؑ سے جو نکلے تو کہاں جائے زلیخا
یوسفؑ بھی زلیخا سے نکل کر کہاں جائے

اِس کھیل کے آگے بھی کوئی کھیل ہے صاحب
دل زخم و مسیحا سے نکل کر کہاں جائے

ماضی کو اگر مان لے انساں کہ ہے مردہ
اندیشۂ فردا سے نکل کر کہاں جائے

انسان کا انساں کے سوا ہے کوئی عالَم
وہ خواب کی دنیا سے نکل کر کہاں جائے

☆

یہ نکتہ خیر سے سمجھا گئی ہے مجھ کو حکمت
مَیں اپنے فرض پر قربان کر دوں گا محبت

چُھڑائے گا یہ انسان جان کب حرف و عدد سے
نکل کر ناظرہ سے کب پڑھے گا لوحِ فطرت

خدا جانے کہ انساں پر حقیقت کب کھلے گی
یہ کثرت کا ستایا جانے کب پائے گا وحدت

خدا نے کیا کتاب ہر قلب پر نازل نہیں کی
پھر اس تفسیر کا محتاج ہے کیا متنِ آیت

مجھے سمجھائیں بے بہرہ ہیں جو روحِ ادب سے
مزے لینے کو ہیں کیا یہ سلاست اور طلاقت

یہاں تو واسطہ بالواسطہ ہے دل کا دل سے
یہاں تو سربہ سجدہ ہیں فصاحت اور بلاغت

☆

نہ کام آئے گی ہشیاری نہ غفلت کام آئے گی
جہاں کوئی نہ کام آئے گا حیرت کام آئے گی

شکم سیری میں ہے کچھ اور نہ فاقے میں ہے کچھ حضرت
اگر دانائی ہے درکار حکمت کام آئے گی

شعورو فکر کام آئیں گے آسانی کو مُشکل کی
امارت کام آئے گی نہ غربت کام آئے گی

اگر کام آئے گا تو وقت کو تحلیل کرنا خود شناسی میں
عبادت کام آئے گی نہ فرصت کام آئے گی

اگر دل میں نہیں تیرے اک یکسوئی کی حالت
نہ جلوت کام آئے گی نہ خلوت کام آئے گی

بیاں کرنا ہے گر خاموشی فطرت تجھے اے نطق
فصاحت کام آئے گی بلاغت کام آئے گی

☆

آ گہی کی پڑی ہوئی ہے مجھے
روشنی کی پڑی ہوئی ہے مجھے

ہے جہاں خلق کا خدا غائب
بندگی کی پڑی ہوئی ہے مجھے

ہے جہاں سب کا کام پُرکاری
سادگی کی پڑی ہوئی ہے مجھے

ہے جہاں خلق مستِ آبِ بقا
تشنگی کی پڑی ہوئی ہے مجھے

ہے جہاں سب کو راستی درکار
گمرہی کی پڑی ہوئی ہے مجھے

ہے جہاں خلق بے حواس نویؔد
شاعری کی پڑی ہوئی ہے مجھے

☆

دیکھ اے وہم حقیقت کا سرا ڈھونڈ لیا
ہم نے اِس جستجوئے صفر میں ''لا'' ڈھونڈ لیا

ہم نے اِس ڈھونڈ میں اے جستجوئے لا یعنی
کچھ نہ کچھ ڈھونڈتے رہنے کا مزا ڈھونڈ لیا

ہم تو ہیں محوِ سفر یعنی سفر بعدِ سفر
آپ کیوں ٹھہر گئے آپ نے کیا ڈھونڈ لیا

یہ عجب بھید ہے معلوم و نہ معلوم کا بھید
کھو گیا آپ وہ خود جس نے پتا ڈھونڈ لیا

ایک ہیں ہم نہ ملی ہم کو تو خود اپنی ہی تہہ
آپ ہیں کون خلا جس نے خدا ڈھونڈ لیا

'کیوں'' سے اور ''کیا'' سے بھلا کس طرح نکلے باہر
عقل اب جائے کہاں ''ہے'' میں جو تھا ڈھونڈ لیا

☆

تعقّل، تفکّر، تدبّر، تحیّر
تصوّر حقیقت، حقیقت تصوّر

نہ اوّل نہ آخر، نہ آخر نہ اوّل
توَاتُر تسَلسُل، تسَلسُل توَاتُر

نہ داخل نہ خارج ، نہ خارج نہ داخل
تناظر تخیل، تخیل تناظر

تکلّم اشارت، اشارت تکلّم
تذکّر خموشی، خموشی تذکّر

توّہم تشکّک، تشکّک توّہم
تبحّر تعلّم، تعلّم تبحّر

سکونت تلاطم، تلاطم سکونت
تقرّر تعطل، تعطل تقرّر

☆

مفت کب ہاتھ یہ خاروں کا بچھونا آیا
گھر لُٹا ہے تو ہمیں خاک پہ سونا آیا

ہائے وہ عشق وہ بچپن کہ مِرے آنگن میں
چاند لے کر تِرے چہرے کا کھلونا آیا

تیرے چومے ہوئے پیروں سے لہو رستا ہے
آج اِس حال پہ اک شہر کو رونا آیا

پہلے بھی کون سنبھالے تھا شب و روز مگر
تجھ کو کھویا تو ہمیں عمر کا کھونا آیا

بچپنا خاک ہُوا شہر کی گلیوں میں نوؔید
تب سمجھ میں مِری ہونے کا نہ ہونا آیا